تعمیرِ حیات

ہفت روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۲۵ اگست سنہ ۱۹۸۲ء ۵ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۲۰

زرِ تعاون

اندرونِ ملک — پینتیس روپے

فی پرچہ — ایک روپیہ

بیرونِ ملک بحری ڈاک — ۵ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک — ۷ پونڈ

افریقی ممالک — ۸ پونڈ

یوروپ و امریکہ — ۱۰ پونڈ

اداریہ

ابو العرفان ندوی

مدارسِ عربیہ کے طلبہ سے!

ماہِ شوال جو ابھی ابھی گذرا ہے مدارسِ عربیہ کے سالِ نو کا افتتاح اسی سے ہوتا ہے شوال کے دوسرے ہفتہ سے لے کر تیسرے اور چوتھے ہفتہ تک نئے طلبہ کا داخلہ اور پرانے طلبہ کی آمد اور نئے درجہ میں ان کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ماہِ شوال میں منتظمین مدرسہ اور اساتذہ کی دلچسپیاں زیادہ تر نئے اور پرانے طلبہ کے ضروری انتظامی معاملات کی الجھنوں کے سلجھانے میں صرف ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو عام حالات میں وسط رجب تک جاری رہتا ہے، ایسے وقت میں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض ضروری باتیں مدارسِ عربیہ کے تمام طلبہ سے کہوں میرے نزدیک یہ باتیں ان کی علمی، اصلاحی اور تربیتی ترقی کے لئے مفید ہیں۔

نمبر۱: دنیا کا کوئی تعلیمی ادارہ اپنے سب طلبہ کو سارے علوم و فنون کی تعلیم نہیں دے سکتا اور جن علوم و فنون کی طلبہ کو اداروں میں تعلیم دیجاتی ہے ان علوم و فنون کی ساری کتابوں کا درس ممکن نہیں ہے، ہر فن کی وہ کتابیں داخلِ درس ہوتی ہیں جو اپنے فن کے جملہ مسائل کی جامع اور محیط ہوتی ہیں کہ ان کا متعدبہ حصہ طلبہ پڑھ سکتے ہیں۔

دراصل کتابوں کی تدریس کا مقصد یہ نہیں ہوتا ہے کہ طالبعلم صرف اس کتاب کو پڑھ لے اور یاد کرلے بلکہ اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالبعلم کو ایسی استعداد بہم پہنچائی جائے جس سے وہ اس فن کی غیر درسی اور مستند کتابوں کو پڑھ اور استفادہ کرسکے۔

اس لئے بنیادی چیز یہ ہے کہ طلبہ اپنی تعلیم کے دوران قوت مطالعہ کی استعداد بہم پہونچائیں اور کتابوں سے مطالب و معانی کو اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا کریں تعلیم کی مقررہ مدت کے اندر طالب علم نے علوم و فنون کی جن کتابوں کو پڑھا ہے، اگر ان کی تعلیم و تدریس میں اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اس کی تعلیم ہوئی ہے تو اس کے لئے یہ تعلیم مفید ہے اور ایسے طالب علم کی استعداد کے بارے میں اطمینان کیا جاسکتا ہے۔

دراصل تعلیم کے زمانے میں طالبعلم کو اسی بات کے لئے تیار کیا جاتا ہے کہ اس میں مطالعہ کی قوت اور کتاب سے معانی و مطالب سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے اس کے لئے طلبہ پر ضروری ہے کہ وہ کتابوں کا مطالعہ کرکے درس میں شریک ہوں یہ بات بہت رنج و افسوس کی ہے کہ مدارسِ عربیہ سے درس سے پہلے مطالعہ اور درس کے بعد مذاکرہ و تکرار کا رواج تقریباً ختم ہوگیا ہے بلکہ اب تو خود درس میں شرکت بھی پابندی سے نہیں ہوا کرتی، مطالعہ و مذاکرہ درحقیقت طالب علموں کے لئے ایک انتہائی ضروری چیز ہے، مطالعہ اس بات کی صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ طالب علم براہِ راست کتاب سے، درس سے پہلے معنی اور مطلب سمجھ لے اور درس کے وقت جہاں جہاں اس کو شبہات پیش آتے ہیں استاذ کی تقریر سے وہ دور ہوجائیں، اور اس سبق پر اس کو زیادہ اعتماد اور قدرت حاصل ہوجائے پھر درس کے بعد مذاکرہ سے بقیہ رہی سہی کسر بھی پوری ہوجاتی ہے اور ساتھ ہی دوسروں کو بات سمجھانے کا سلیقہ آجاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہئے کہ تدریس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے

اچھے مدرسین کی کمیابی بلکہ نایابی کا راز ایک یہ بھی ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں مذاکرہ اور علمی مضامین کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی۔

نمبر۲: دوسری بات یہ ہے کہ عزیز طلبہ کے ذہن میں ہر وقت یہ بات مستحضر رہنی چاہئے کہ وہ صرف علم دین حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا سلیقہ سیکھنے کے لئے آئے ہیں اس کے علاوہ کوئی چیز ان کے لئے قابل توجہ اور اہمیت دینے کی نہیں ہے اور اگر دوسری چیزوں کی طرف انھوں نے اپنا وقت عزیز لگایا تو پھر وہ بنیادی مقصد فوت ہوجائے گا۔

نقد و تبصرہ، نظم مدرسہ پر اعتراض حضرات اساتذہ اور منتظمین مدرسہ سے بے اعتمادی کا اظہار تعلیم کے مقصد کو فوت کرنے والی چیز ہے، بلکہ یہ چیزیں بعد میں طلبہ کی دینی اور علمی زندگی کے لئے بھی بہت ہی مہلک اور خطرناک ہیں اس چیز نے بڑا نقصان پہنچایا ہے اور زیادہ تر وہ طلبہ خسارہ میں رہے ہیں جنھوں نے اپنے اصل مقاصد کو چھوڑ کر اپنا وقت عزیز اور اپنی صلاحیتوں کو غلط کاموں میں صرف کیا ہے۔

ترجو النجاة ولم تسلك مسالكها ⁂ إن السفينة لا تجري على اليبس

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو دی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ ۲۶/۲۵ کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

مطالعہ کی میز پر

شمس تبریز خاں

صفحات ۵۶، قیمت تین روپے، پتہ، مکتبہ اسلام گولٹن روڈ، لکھنؤ

حضرت مولانا مدظلہ کے قلم سے کئی سال پہلے اسلام کی عبادات اربعہ پر بڑے حکیمانہ، داعیانہ اور مفکرانہ انداز میں 'ارکان اربعہ' کے نام سے ایک کتاب کتاب شائع ہوکر قبول عام حاصل کرچکی ہے، متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوچکے ہیں۔ لوگوں کا عام احساس ہے کہ عہد حاضر میں اسلامی عبادات پر ایسی کوئی کتاب شاید موجود نہیں۔ اس میں حج پر بہت تفصیلی کلام کیا گیا ہے اور اس کی روح کو سمجھنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

موجودہ رسالہ میں اس کا انتخاب اور ایک تازہ اہم تقریر "حج کے چند مشاہدات و احساسات" شامل ہے، جس میں حضرت مولانا نے حج کے سلسلہ میں بعض عام کی بدعتوں اور غلط فہمیوں پر محاکمہ گرفت کی ہے اور حج کے صحیح مقاصد کو اجاگر کرنے کی سعی مشکور انجام دی ہے۔ مولانا نے اس رسالے میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام کو بحیثیت تحریک اور سیاسی نظام پیش کرنے کا سبب مغربی فلسفے مرعوبیت ہے، جس کی وجہ سے حج کو بھی اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اسے مسلمانوں کا عالمی اجتماع قرار دیا جارہا ہے جب کہ اس کے مقاصد محبوب حقیقی سے والہانہ تعلق کا اظہار، ملت ابراہیمی کو خراج ابراہیمی سے مربوط کرنا، اور امت کو بدعت و تحریف سے بچانا ہے۔

حضرت مولانا کی یہ تقریر مختصر ہونے کے باوجود بہت فکر انگیز اور امت کے داعیوں اور مفکروں کو ان کی ذمہ داری یاد دلاتی ہے کہ وہ دین کو اس کی حقیقی شکل اور انبیاءؑ کے اسلوب میں پیش کریں۔

سُبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (جلد اول)

از مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، مرتبہ: ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ندوی

صفحات ۲۰۹ - قیمت درج نہیں۔ پتہ:- اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مولانا آزاد بلگرامی کی 'سبحۃ المرجان' ہندوستان کی پہلی عربی کتاب ہے جس میں تحقیقی طور پر ہندوستان اور ہندوستانی علماء پر قلم اٹھایا گیا ہے، اس لحاظ سے اس کی اہمیت اب تک برقرار ہے، مگر یہ کتاب سو سال پہلے شائع ہوئی اور پھر اس کا کوئی اڈیشن نہیں شائع ہوسکا۔ شعبۂ اسلامیات علی گڑھ کے استاذ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ندوی اہل علم کے سپاسگزار ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کو اپنی تحقیق و تصحیح کے ذریعہ حیات نو بخشی ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں مصنف کے اصل نسخے اور ان کے ایک شاگرد کے نسخے سے مقابلہ اور فرد فرد تحقیقی حواشی اور اپنے عربی و انگریزی مقدموں کے ساتھ اسے خوبصورت ٹائپ پر شائع کیا ہے۔ حواشی میں انھوں نے بڑی محنت کی ہے جس سے یہ کتاب جدید ترین معیار تحقیق و تصحیح کے مطابق ہوگئی ہے۔

امید ہے کہ اہل علم اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور مرتب کے شکر گزار ہوں گے۔ کتاب کا دوسرا حصہ بھی ڈاکٹر محمد اقبال انصاری کا صدر شعبہ کی نگرانی میں تیار ہوگیا ہے اور عنقریب اشاعت پذیر ہوگا۔

شیعہ اور قرآن (تنبیہ الحائرین)

از حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ، صفحات ۱۵۵، قیمت ۱۲ روپے

پتہ: مکتبہ فاروقیہ ۲۲۰/۵ دریائی ٹولہ، لکھنؤ - ۳

امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ کو دور آخر میں مذہب تشیع کی تردید و تحقیق میں امامت و اجتہاد کا مقام حاصل تھا۔ اور اس سلسلے میں ان کی گراں قدر تحقیقات حرف آخر کا حکم رکھتی ہیں۔ موجودہ کتاب میں حضرت مولانا نے شیعہ علماء کی کتابوں کے مستند حوالوں سے یہ دکھایا ہے کہ شیعہ فرقہ قرآن پر اہل سنت کی طرح اس کی محفوظیت و سالمیت پر یقین نہیں رکھتا، اور اس میں ہر طرح کے نقص اور اضافہ اور تحریف و تالیف کا قائل ہے۔

مولانا نے ایک شیعہ معاصر عالم سید علی حائری کی کتاب 'موعظۂ تحریف' کا خاص طور پر جواب دیا ہے جس میں انہوں نے قرآن کے اختلاف قراءات اور منسوخ آیات سے تحریف قرآن پر استدلال کیا تھا۔ اخیر میں شیعوں کے چالیس اصولی و فروعی مسائل کی نشان دہی کرکے مذہب تشیع کا ابطال کیا ہے۔ ابطال تشیع کے ساتھ قرآن کے بارے میں بہت سے قیمتی مباحث بھی آگئے ہیں۔ جیسے مصحف عثمانی کی صحیح نوعیت ترتیب نسخ آیات اور اختلاف قراءات کی بحث۔ اس طرح یہ کتاب مناظرہ کی کتاب کے علاوہ ایک علمی و اصولی کتاب بھی ہے جس سے علوم قرآنی کے بہت سے گوشے روشن ہوگئے ہیں۔

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر کتابت و طباعت کی طرف خاص توجہ کی ضرورت تھی طباعت کی خرابی سے کہیں کہیں عربی عبارتوں کے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔

مکتبہ فاروقیہ مبارک باد کے لائق ہے جس نے حضرت مولانا رحمؒ کی کتابوں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ امید ہے کہ وہ مولانا کی دیگر کتابیں خاص طور پر ترجمہ ازالۃ الخفاء اور تفسیر آیات بھی شائع کرنے کی کوشش کرے گا۔

آئینے

از میاں مردم شناس، صفحات ۲۰۸، قیمت ۱۰ روپے

ناشر: مکتبہ البدر، کاکوری، لکھنؤ۔

کچھ عرصے سے دار العلوم فاروقیہ کاکوری کا ترجمان ماہنامہ 'البدر' شائع ہورہا ہے جس کے موضوعات دینی و اصلاحی ہوتے ہیں۔ اس میں ایک مزاحیہ عنوان "آئینے" کا بھی ہوتا ہے جس میں "میاں مردم شناس" معاشرے کے کمزور پہلوؤں اور دکھتی رگوں پر انگلی رکھتے ہیں اور طنز و مزاح کے نشتروں سے معاشرتی ناسوروں کا تدارک کرتے ہیں۔

صاحب آئینہ کے قلم میں بڑی روانی و شگفتگی ہے ان کے موضوعات اور طرز ادا سے "تجلی" کے ملا ابن العرب کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

نالے اور نغمے

از راحت کوٹی کیانی۔ صفحات ۹۶۔ قیمت ۵ روپے

پتہ: جمال احمد خاں۔ پوسٹ پنڈرا، ضلع بلاس پور ایم۔ پی

راحت کوٹی کیانی صاحب مدھیہ پردیش کے کہنہ مشق استاد اور بزرگ شاعر ہیں، اقبال کے شیدائی ہیں اور جنگ آزادی میں اپنے بے باک اشعار کے سبب جیل بھی جاچکے ہیں۔ موجودہ مجموعہ ان کے منتخب متفرق اشعار اور غزلوں کا ہے جو زبان و بیان، لفظ و معنی، مواد و اسلوب ہر لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔ شعروں میں استادانہ پختگی، سنجیدگی اور برجستگی کا احساس ہوتا ہے۔ سادگی و سلاست کی وجہ سے اشعار عام فہم اور عوامی دلچسپی کے بھی ہیں۔ کئی غزلیں اقبال کی زمین میں کہی ہیں جو ایک بہت مشکل کام ہے مگر وہ اپنی قادر الکلامی کے سبب اس جادۂ دشوار سے بآسانی گزر گئے ہیں۔ اور اس میں اپنے نقوش قائم کرگئے ہیں۔

منی آرڈر کوپن پر پتہ صاف اور خوشخط لکھیں نیز خریداری حوالہ نمبر ضرور تحریر کریں۔

(منیجر)

مولانا سید سلیمان ندوی

حج

وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ
(آل عمران ۱۰)

حج اسلام کی عبادت کا چوتھا رکن اور انسان کی خدا پرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریقہ ہے، اس کے لفظی معنی "قصد اور ارادہ" کے ہیں، اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد وارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے، لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ میں جاکر وہاں کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانے اور مکہ کے مختلف مقدس مقامات میں حاضر ہو کر کچھ آداب اور اعمال بجالانے کا نام ہے۔

انسانی تمدن کی ابتدائی تاریخ پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ انسانی جماعت کی ابتدائی شکل، خاندان اور خانوادہ کی صورت میں تھی، اس سے آگے بڑھی تو چند خیموں اور جھونپڑیوں کی ایک مختصر سی آبادی بنی، پھر وہ شہر کی صورت میں منتقل ہوئی، اس سے ترقی کرکے اس نے ایک قوم اور ایک ملک کا قالب اختیار کیا اور بالآخر وہ تمام دنیا پر چھاگئی۔

مکہ اس انسانی ترقی کے تمام مدارج اور مراتب کی ایک مرتب تاریخ ہے۔ وہ حضرت ابراہیمؑ خلیل کے عہد میں ایک خاص خاندان کا تبلیغی مستقر بنا۔ پھر حضرت اسمٰعیل کے زمانہ میں وہ چند خیموں اور جھونپڑوں کی مختصر سی آبادی کی صورت میں ظاہر ہوا، پھر رفتہ رفتہ اس نے عرب کے مذہبی شہر کی جگہ حاصل کرلی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ اسلامی دنیا کا مذہبی مرکز قرار پایا۔

دنیا کی ابتدائی آبادی کے عہد میں یہ دستور تھا کہ ہر آبادی کے محصور احاطہ میں دو خاص باعظمت مکان بنائے جاتے تھے۔ ایک اُس آبادی کے بادشاہ کا محل یا قلعہ، اور دوسرے اس آبادی کے کاہن کا معبد ہوتا تھا۔ عموماً ہر آبادی کسی نہ کسی دیوتا یا ستارہ کی طرف منسوب ہو کر اس کی حفاظت اور پناہ میں ہوتی تھی، اور اسی محافظ دیوتا یا ستارہ کی وہاں پوجا ہوتی تھی اس کے معبد کا صحن دارالامن ہوتا تھا، نذرانہ کی تمام رقمیں اور پیداواریں اس میں جمع ہوتی تھیں اور جیسے جیسے اس آبادی کی بادشاہی اور حکمرانی بڑھتی جاتی تھی، اس دیوتا کی حکومت کا رقبہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا، جہاں کلدانیوں کی آبادی اور حکومت تھی، یہاں بھی بدستور ستاروں کی پوجا ہوتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے نبوت پاکر ستارہ پرستی کے خلاف دنیا میں سب سے پہلی آواز بلند کی اور ایک خدا کی پرستش کی دعوت دی، ان کے خاندان اور قوم کے لوگوں نے ان کو اس کے لئے تکلیفیں دیں اور بالآخر ان کو اپنا وطن چھوڑ کر شام، مصر اور عرب کی طرف ہجرت کرنی پڑی، یہ تمام وہ مقامات تھے، جنہیں سام کی اولاد پھیلی ہوئی تھی اور مختلف ناموں سے ان کی حکومتیں قائم تھیں، آثار قومیات، لسانیات اور دوسرے تاریخی قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب کا ملک سامی اقوام کا پہلا مسکن اور پہلی آبادی تھی، اور یہیں سے نکل کر وہ یمن اور خلیج فارس کے سواحل سے عراق پہنچی تھیں اور شام وفلسطین گئی تھیں اور مصر میں ہکسوس یا چرواہے (بدو) بادشاہوں کے نام سے حکمراں تھیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے مختلف شہروں کے سفر کے بعد عرب وشام کی سرحد کا رُخ کیا، اور بحر میت کے پاس اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو آباد کیا، اپنے بیٹے حضرت اسحاق کو کنعان (فلسطین) میں بسایا، اپنے دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو حجاز کی طرف بحر احمر کے ساحل پر اُس مقام پر جگہ دی جس کو ان کے انتساب سے آج تک مدین کہتے ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر فاران کی وادی میں حضرت اسماعیلؑ کی سکونت مقرر کی، یہ تمام مقامات وہ شاہراہ تھی جس پر سے مصر وشام سے حجاز ویمن اور حجاز ویمن سے مصر وشام آنے جانے والے تاجروں، سوداگروں اور قافلوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔

اپنی اولاد کو اس خاص سلسلہ سے آباد کرنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقصد تھے، ایک یہ کہ تجارتی قافلوں کی آمد ورفت کی بنا پر اس کو غلہ اور ضروری سامان کے ملنے میں تکلیف نہ ہو، اور ساتھ ہی وہ بھی اس سوداگری میں بہ آسانی شریک ہوسکے، اور دوسرا یہ کہ خدا کی خالص توحید کی تبلیغ کے لئے قوموں کے یہ گزرگاہ بہترین تبلیغی مرکز تھے، یہاں وہ عراق وشام کی جبار و قہار قوموں کے حدود سے جو مشہور بت پرست اور ستارہ پرست تھیں علیحدہ رہ کر لوگوں میں دین حق کو پھیلا سکتی تھی۔

بیت اللہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دستور یہ تھا کہ جہاں کہیں ان کو روحانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا، وہاں خدا کے نام سے ایک پتھر کھڑا کرکے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنالیتے تھے، چنانچہ توراۃ کتاب پیدائش میں اُن کی تین قربان گاہوں یا "خدا کا گھر" بنانے کے واقعات مذکور ہیں:

"تب خداوند نے ابرام کو دکھائی دیکے کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا، اور اس نے وہاں خداوند کے لئے جو اس پر ظاہر ہوا ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے روانہ ہوکے اس نے "بیت ایل" (بیت اللہ) کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرہ کھڑا کیا، بیت ایل اس کے پچھم اور عَیٰ اس کے پورب تھا، اور وہاں اس نے خدا کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند کا نام لیا۔"
(۱۲-۷،۸)

اس کے بعد ہے:-

"اور وہ (ابراہیم) سفر کرتا ہوا دکھن سے بیت ایل میں اس مقام تک پہنچا ۔ ۔ ۔ ۔ جہاں اس نے شروع میں ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں ابراہیم نے خدا کا نام لیا، (۱۳-۴)

پھر ایک اور جگہ پہنچے جہاں ان کو خدا کی وحی اور برکت کا پیام پہنچا اور حکم ہوا:-

"اٹھ اور اس ملک کے طول وعرض میں پھر کہ میں اُسے تجھ کو دوں گا، اور ابراہیم نے اپنا ڈیرہ اٹھایا اور ممرے کے بلوطوں میں جو حبرون میں ہیں جا رہا، اور وہاں ایک قربان گاہ بنائی،
(۱۳، ۱۷، ۱۸)

اسی قسم کی قربان گاہیں، اور خدا کے گھر، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ نے بھی بنائے اور آخر حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کی، جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔ حضرت اسحاقؑ کے حال میں ہے کہ جہاں ان پر وحی اور وعدہ کی بشارت نازل ہوئی۔

"اور اس نے وہاں مذبح بنایا اور خداوند کا نام لیا، اور وہاں اپنا خیمہ کھڑا کیا، اور وہاں اسحاق کے نوکروں نے کنواں کھودا۔" (پیدائش ۲۶-۲۵)

حضرت یعقوب کو جہاں مقدس رویا ہوئی، وہاں،

"اور یعقوب صبح سویرے اٹھا، اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا، کھڑا کیا، اور اس کے سرے پر تیل ڈالا اور اس مقام کا نام بیت ایل رکھا اور یہ پتھر جو میں نے ستون کھڑا کیا خدا کا گھر ہوگا اور سب میں سے جو تو مجھے دے گا، دسواں حصہ (عشر) تجھے (خدا کو) دوں گا۔" (۲۸-۱۸-۲۲)

حضرت موسیٰ کو حکم ہوتا ہے،

"اور اگر تو میرے لئے پتھر کی قربان گاہ بنائے، تو تراشے ہوئے پتھر کی مت بنائیو، کیونکہ اگر تو اس کے لئے اوزار لگائے گا تو اسے ناپاک کریگا، اور تو میری قربان گاہ پر سیڑھی سے ہرگز مت چڑھیو، تاکہ تیری برہنگی اس پر ظاہر نہ ہو۔"
(خروج ۲۰-۲۵-۲۶)

حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم کے بموجب:

"اور پہاڑ کے تلے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کے لئے بارہ ستون بنائے ۔ ۔ ۔ ۔ اور سلامتی کے ذبیحے بیلوں سے خداوند کے لئے ذبح کئے اور موسیٰ نے آدھا خون لے کے باسنوں میں رکھا اور آدھا قربان گاہ پر چھڑکا۔" (خروج ۲۴-۴-۶)

اوپر کے اقتباسات میں اس قسم کی تعمیر یا رکان کا ایک نام (مذبح یا قربان گاہ) بتایا گیا ہے، اور دوسرا بیت ایل یعنی بیت اللہ اور خدا کا گھر، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل میں اس قسم کی قربان گاہ اور بیت اللہ بنانے کا دستور تھا، اسی قسم کا وہ گھر ہے جو مکہ معظمہ میں کعبہ، مسجد حرام اور مسجد ابراہیم کے نام سے آج تک قائم ہے۔ بلکہ اس کی نسبت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کا

پہلا گھر ہے۔

ملت ابراہیمی کی حقیقت قربانی ہے:

توراۃ اور قرآن پاک دونوں سے یہ ثابت ہے کہ ملت ابراہیمی کی اصلی بنیاد قربانی تھی، اور یہی قربانی حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ اور روحانی زندگی کی اصلی خصوصیت تھی اور اسی امتحان اور آزمائش میں پورے اترنے کے سبب سے وہ اور ان کی اولاد ہر قسم کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کی گئی، توراۃ کی کتاب پیدائش میں ہے۔ (۲۲-۱۶-۱۷-۱۸)

"خداوند فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا، اور اپنا بیٹا ہاں اپنا اکلوتا بیٹا دریغ نہ رکھا، میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا، اور بڑھاتے ہی تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کے کنارے کے ریت کے مانند بڑھاؤں گا، اور تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازہ پر قابض ہوگی، اور تیری نسل سے زمین کی ساری قوم برکت پائے گی کیونکہ تو نے میری بات مانی۔"

قرآن پاک میں ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (بقرہ ۱۵)

(اور جب ابراہیم کے پروردگار نے چند باتوں میں اس کی آزمائش کی، پھر اس نے ان کو پورا کیا، تو خدا نے اس سے کہا، کہ میں تجھ کو لوگوں کے لئے پیشوا بنانے والا ہوں)۔

وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (بقرہ ۱۶)

(اور ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چُنا اور وہ آخرت میں یقیناً نیکوں میں سے ہے، جب اس کے خدا نے اس سے کہا کہ اپنے کو سپرد کردے، اس نے کہا میں نے اپنے کو دنیا کے پروردگار کے سپرد کردیا)۔

یٰٓاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔
(صٰفٰت ۳)

(اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کردکھایا ہم یونہی اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں)

یہی وہ برکت ہے جس کو مسلمان دن میں پانچ مرتبہ خدا کے سامنے یاد کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ۔

(خدایا تو محمد اور محمد کی (جسمانی وروحانی) نسل پر برکت نازل کر، جس طرح تو نے ابراہیم اور ابراہیم کی (جسمانی وروحانی) نسل پر برکت نازل کی)۔

لیکن یہ قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی، بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی، یہ ماسوی اللہ اور غیر کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کردینے کی نذر تھی، یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا، یہ تسلیم ورضا اور صبر وشکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی "پیشوائی" اور آخرت کی "نیکی" نہیں مل سکتی۔ یہ باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کردینا نہ تھا بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات اور خواہشوں، تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی اور خدا کے حکم کے سامنے اپنے ہر قسم کے ارادے اور مرضی کو معدوم کردینا تھا، اور جانور کی ظاہری قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس اور اس خورشید حقیقت کا ظل مجاز تھا۔

اسلام قربانی ہے:

اسلام کے لفظی معنی "اپنے کو کسی دوسرے کے سپرد کردینا اور طاعت وبندگی کے لئے گردن جھکا دینا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے اس ایثار اور قربانی سے ظاہر ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ ان باپ بیٹوں کی اس اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبہ کو صحیفہ محمدی میں اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمایا:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ۔
(صٰفٰت ۳)

(جب ابراہیم اور اسماعیل اسلام لائے (یا فرمانبرداری کی یا اپنے کو خدا کے سپرد کردیا) اور ابراہیم نے اپنے بیٹے (اسماعیل) کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا)۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔
(بقرہ ۱۶)

(اور کون ابراہیم کی ملت کو پسند نہ کرے گا، لیکن وہ جو خود بیوقوف بنے، ہم نے اس کو دنیا میں مقبول کیا اور وہ آخرت میں بھی نیکوں میں سے ہوگا، جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ اسلام لا (یا فرمانبرداری کر یا اپنے کو سپرد کردے) اس نے کہا میں نے پروردگار عالم کی فرمانبرداری کی، (یا اپنے کو اس کے سپرد کردیا)۔

الغرض ملت ابراہیمی کی حقیقت یہی اسلام ہے کہ انھوں نے اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دیا اور اس کے آستانہ پر اپنا سر جھکا دیا تھا، یہی اسلام کی حقیقت ہے اور یہی ابراہیمی ملت ہے اور اسی بار امانت کو اٹھانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ بار بار خدا سے دعا فرماتے تھے کہ ان کی نسل میں اس بوجھ کے اُٹھانے والے ہر زمانہ میں موجود ہیں اور بالآخر ان کی نسل میں وہ امین پیدا ہو جو اس امانت کو لے کر تمام دنیا پر وقف عام کردے، چنانچہ دعا فرمائی تو یہ فرمائی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔
(بقرہ ۱۵)

(ہمارے پروردگار! ہم کو مسلمان (یا اپنا فرمانبردار) بنا اور ہماری نسل میں سے ایک مسلمان (یا اپنی فرمانبردار) جماعت بنا اور ہم کو مناسک (حج کے دستور) بتا اور ہم کو معاف کر، بے شک تو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، ہمارے پروردگار اس میں اپنا ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں اُن کو پڑھ کر سنائے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک وصاف کرے، تو غالب اور حکمت والا ہے)۔

یہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ کتاب قرآن پاک تھی، یہ حکمت سینہ محمدی کا خزانہ علمی وعملی تھا، اور یہ مناسک اسلام کے ارکان حج تھے۔

بقیہ ص ۱۱

تحت الشعور میں کوئی تردد اور بے یقینی تو نہیں پائی جاتی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارے اندر مرعوبیت اور احساس کمتری کے جراثیم موجود ہیں، اور ہم غیر اسلامی دعوتوں کے مقابلہ اور مخالف طاقتوں کے سامنے اس عزم ویقین کے لہجہ میں بات نہیں کرتے یا اسکو ضرورت سے زیادہ اہمیت اور الاؤنس دینے لگتے ہیں اور ابھی ہمارے ماحول کی سرد و بے کیف فضا زیادہ آتش نوائی یا تلخ نوائی کی متقاضی ہے اور اس بحر الکاہل میں کسی ایسی تیز و شوخ موج کی ضرورت ہے جو اس ساکن سطح آب میں تموج پیدا کردے، یہ موجیں عالم اسلام کے "بحر الروم" کی تہ میں اب بھی موجود ہیں اور اسکو پھر مواج بنا سکتی ہیں۔

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی ⁂ نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان کی پیغمبرانہ حکمت کے چند نمونے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل:

آج ہم پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل پیش کرتے ہیں، یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا نمونہ، وہ دعوت جس کے لئے وہ مامور من اللہ تھے، اور فرعون جس کا مخاطب تھا، یہ طریق دعوت و تبلیغ اس طریق کار سے مختلف ہے جو ہم نے پہلے پیش کیا تھا، اور آئندہ جو نمونے پیش کئے جائیں گے اس سے بھی یہ مختلف ہے، اس دعوت کی تین لحاظ سے نوعیت مختلف ہے۔ دعوت کا مزاج، داعی کی حیثیت، اور جس کو دعوت دی جارہی ہے، اس کی صورت حال۔

یہ دعوت جو موسیٰ علیہ السلام نے دی، یہ دعوت جس پر وہ مامور کئے گئے تھے، انبیاء کرام کی دعوتوں سے ایک لحاظ سے مختلف کہی جاسکتی ہے، اس میں بھی مرکزی اور بنیادی عناصر موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت، توحید کی دعوت، آخرت پر ایمان کی دعوت، مرکر دوبارہ اٹھنے اور آخرت کی زندگی، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور غیبی امور کی دعوت، مگر ایک دوسرے پہلو سے مختلف ہے، اور وہ یہ کہ ان بنیادی اور مرکزی مضامین دعوت کے علاوہ ایک اور مہم بھی دعوت میں داخل کر دی گئی ہے، وہ مہم تھی بنی اسرائیل کو فرعون کے عذاب سے نجات دلانا اور عقائد کی بنیاد پر جو مصائب ان کو فرعون کی طرف سے اٹھانا پڑے تھے، اس سے گلوخلاصی حاصل کرانا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مہم دوسرے انبیاء کرام کی مہم سے قدرے مختلف ہے:

وہ خاص ماحول اور حالات جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور جن میں انھوں نے پرورش پائی اور گردوپیش کی صورتحال جن سے ان کو سابقہ پڑا، ان باتوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کام کو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے کام سے ایک حد تک مختلف نوعیت دے دی تھی، حضرت موسیٰؑ کو مامور کیا گیا کہ فرعون سے صاف صاف کہہ دیں کہ وہ ظالم و جابر ہے اور وہ بنی اسرائیل پر مسلط ہے، وہ بنی اسرائیل جو انبیائے کرام کی اولاد تھے اور جن کے آباء (اس وقت کی دنیا میں) ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید کے تنہا وارث تھے، یہاں معاملہ کسی خاص قوم کا یا کسی انسانی گروہ کا نہ تھا، جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی، اور اس طرح کے انسانی گروہ آج بھی پائے جاتے ہیں، اگر کسی ایسے گروہ کا معاملہ ہوتا جس پر کوئی ظالم و جابر قابض ہوگیا ہو اور جن کو ظلم و بہیمیت کے ذریعہ غلام بنائے ہوئے تھا اور عقیدے کی بنیاد پر ان کو مصائب اٹھانا پڑ رہے تھے تو بات آسان اور معمول کے مطابق سمجھی جاتی، کیونکہ آئے دن اور ہر جگہ ایسا ہوتا رہتا ہے، اور تاریخ کے ہر دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں، اور آئندہ بھی اس طرح کی صورت حال سے انسانی آبادی کا دوچار ہونا بعید نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی ان کے معاصرین کے مقابلہ میں جداگانہ نوعیت وخصوصیت:

صورت حال اس درجہ سادہ اور معمولی نہ تھی، صورت حال یہ تھی کہ دینی و اخلاقی قدروں میں انحطاط، اور بہت سی کمزوریوں کے باوجود یہی ایک باقی ماندہ قوم تھی، جسے ایمان باللہ صحیح معنوں میں حاصل تھا اور عقیدۂ توحید کی وارث و امین تھی، تاریخ کی شہادت ہے کہ بنی اسرائیل اپنی اخلاقی و دینی کمزوریوں کے باوجود تاریخ کے ہر دور میں کسی نہ کسی درجہ میں عقیدۂ توحید پر قائم رہے، ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ سوائے یہود کے کوئی عقیدۂ توحید کا شناسا بھی نہ تھا، مفسرین نے قرآن مجید میں دنیا کی قوموں پر فضیلت کا بار بار ذکر کرنے کی توجیہ یہی کی ہے کہ شرک و بت پرستی کی اس تاریکی میں وہ تنہا عقیدۂ توحید کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔

صورت حال صرف اس قدر نہ تھی کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کی فوج کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندے جارہے تھے اور ایک ظالم و جابر حاکم وقت کے رحم و کرم پر پڑے تھے، بلکہ صورت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل عقیدۂ توحید کے حامل اور میراث نبوت کے امین تھے، یہ اس امانت کے حامل تھے، جو (اس دور میں) انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کا مجموعہ تھی۔

حضرت موسیٰ پر دوہری ذمہ داریاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نوعیت دوسرے انبیائے کرام سے جداگانہ ہے، کیونکہ آپ پر دوہری ذمہ داری تھی، ایک ذمہ داری تو پیغام حق پہنچانے اور فرعون کو اُس خدائے واحد و قہار کی طرف متوجہ کرنے کی تھی، جس کا کوئی حکومت و قانون سازی میں شریک نہیں، اور دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ فرعون سے مطالبہ کریں کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کردے اور ان کے قیدیوں کو رہا کردے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا گیا:۔

"فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۝ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝ (سورۂ طٰہٰ ۴۷)

(اچھا) تو تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے اور انھیں عذاب نہ کیجئے ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور جو ہدایت کی بات مانے اس پر سلامتی ہو)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہی وہ رخ ہے جو ان کی دعوت کو دوسرے انبیائے کرام کی دعوتوں سے ممتاز کرتا، لیکن ان کی پوزیشن نازک تھی، کیوں؟ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت منفرد نوعیت کی تھی، ان کی زندگی کا نشیب و فراز دوسروں سے بہت مختلف تھا۔

فرعون کے منصوبے اور انتظامات کی ناکامی:

حضرت موسیٰؑ ایک انتہائی تاریک، اجرناک گھٹے ہوئے، بلکہ مردم خور ماحول میں پیدا ہوئے، فرعون نے اپنے انٹیلیجنس (INTELLIGENCE) کو (جیسا کہ موجودہ اصطلاحات میں کہا جاتا ہے) یا اپنے محکمۂ پولیس کو ہدایت دی تھی کہ بنی اسرائیل میں کسی نومولود لڑکے کو زندہ نہ چھوڑے:۔

"إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝

(القصص - ۴)

فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا، ان میں سے ایک گروہ کو یہاں تک کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، بےشک وہ مفسدوں میں تھا۔

فرعون نے اپنا پلان بہت باریک بینی سے تیار کیا تھا، جس طرح ترقی یافتہ، منظم حکومتیں اپنے پلان تیار کرتی ہیں، یہ پلان یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں کوئی لڑکا نہ ہونے پائے اور ایک نسل اس طرح گزر جائے تو بنی اسرائیل کی طرف سے ہمیشہ کے لئے بےفکر ہوجائے گا، صرف عورتیں رہ جائیں گی، ان سے ضرر نہیں، ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے، اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے، فرعون نے ایک مطلق العنان حکمراں کی طرح جس کے احکام کی کہیں اپیل نہ ہوسکے، اپنا فرمان نافذ کر دیا۔ اور یہ چاہا کہ بنی اسرائیل میں کوئی معمولی سطح کا بھی لڑکا زندہ نہ رہنے پائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ ان میں ایک عظیم شخصیت پیدا ہو، فرعون کی یہ تدبیر تھی کہ بنی اسرائیل سے نجات حاصل کرے، اور بنی اسرائیل میں ایسا لڑکا نہ پیدا ہونے دے، جو اس کی سلطنت وعظمت کا خاتمہ کرنے والا ثابت ہو، اور اس کے پلان کو برباد کردے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے سارے منصوبے خاک میں ملا دئے اور موسیٰؑ کی پیدائش مقرر کر دی، وہ موسیٰؑ جن کے خوف سے بچے ذبح کئے جارہے تھے، فرعون کے کارندے بچوں کو حضرت موسیٰ کی وجہ سے قتل کر رہے تھے، لیکن وہ نومولود جس سے فرعون کو خدشہ تھا پیدا ہو کر رہا، اور اللہ کی مرضی پوری ہوئی، وہ پیدا ہوا، پلا بڑھا، جوان ہوا، لیکن کیسے پیدا ہوا، اور کیسے بچ گیا، کیوں کر پلا اور بڑھا، یہ انسانی تاریخ کے عجائبات میں سے ہے، اور قدرت الٰہی کا معجزہ ہے کہ وہ بچہ اپنے سخت ترین دشمن کی گود میں پلا۔

خرق عادت کا پورا ماحول:

اپنی نگاہ تصور میں اس پورے ماحول کو رکھئے جس میں ایک ایک بات خرق عادت کا منظر ہے، شروع سے آخر تک قدرت خداوندی کی معجز نمائی کا منظر ہے:۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ۝ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۝ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

(القصص ۸ تا ۱۳)

(تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھا لیا اس لئے کہ نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے موجب غم ہو، بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوک گئے، اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں فائدہ پہونچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور وہ انجام سے بے خبر تھے، اور موسیٰؑ کی ماں کا دل بے صبر ہوگیا اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کردیتے تو قریب تھا کہ وہ اس قصے کو ظاہر کر دیں۔ غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں، اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی، اور ہم نے پہلے ہی سے دائیوں کے دودھ اس پر حرام کر دئے تھے، تو موسیٰؑ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس بچے کو پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش کریں، تو ہم نے اس طریق سے ان کو ان کی ماں کے پاس واپس پہونچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں، اور معلوم کریں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن یہ اکثر آدمی نہیں جانتے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (فرعون کے گھر میں پرورش پانے اور پروان چڑھنے کے بعد) پھر وہاں سے بغیر اجازت نکل کھڑے ہوئے، ایک قبطی کو ہلاک کرنے کا واقعہ پیش آیا جو شاہی خاندان یا شاہی قوم میں سے تھا،

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۝

(القصص - ۱۵)

(اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں، ایک تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے ہے، تو جو شخص ان کی قوم میں سے تھا، اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا، موسیٰ سے مدد طلب کی تو انھوں نے اس کو مُکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا، کہنے لگے کہ یہ کام تو اغوائے شیطان سے ہوا بیشک وہ انسان کا دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔

یہ ایک کھلا معجزہ تھا، قدرت خداوندی کا کھلا اظہار تھا، اللہ کی روشن نشانیوں میں سے روشن ترین نشانی تھی کہ اللہ دعوت و تبلیغ اور بنی اسرائیل کی نجات دہندگی کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب فرماتا ہے، جس کی پوزیشن بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ کمزور اور نازک تھی۔

ایمانی اور قلبی قوتوں کی کاوشیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس کا تذکرہ قرآن کریم نے سورۂ قصص میں تفصیل سے کیا ہے، اور دوسری سورتوں میں کہیں اجمال سے اور کہیں کسی درجہ تفصیل سے، اللہ کے دین کی طرف بلائے جانے پر مامور کیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کو آزاد کرانے کی مہم بھی سپرد کی جاتی ہے اور یہ دونوں کام سخت ترین کاوش و کاہش چاہتے ہیں، دعوت الی اللہ کا کام سخت جاں ہی کا کام ہے، اس میں ایمان، ضبط نفس، صبر، اللہ پر بھروسہ اور یقین سبھی درکار ہیں، اسی طرح ایک قوم کی آزادی کا حصول کوئی آسان مہم نہیں ہے، سخت ترین کاوش چاہتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر ان دونوں گرانبار ذمہ داریوں کے احساس نے ایک تردد اور جھجک کی کیفیت پیدا کردی تھی جس کی طرف قرآن کریم نے انہی کی زبانی اشارہ کیا ہے:۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ۝ (الشعراء - ۱۴)

(اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے سو مجھے خوف ہے کہ مجھے مار ہی ڈالیں)۔

یہ وہی بات ہے، جس کی طرف فرعون نے اشارہ کیا تھا:۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

(اور تم نے وہ کام کیا تھا جو کیا اور تم ناشکرے معلوم ہوتے ہو)۔

اسی فرعونی آگاہی، یا دھمکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر یک گونہ جھجک سی پیدا کر دی تھی، ایک ہچکچاہٹ کی کیفیت تھی جس کا اظہار وہ خود فرما رہے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مہموں کے لئے ان کو منتخب فرمالیا تھا، اور ان کاموں کے لئے ان سے بہتر اور موزوں کوئی دوسرا شخص نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور کار نبوت کی ادائیگی کا ایک وہ منظر پیش کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ایک صاحب وحی پیغمبر اور صاحب حکمت مبلغ و داعی اپنی بات پیش کرتا ہے، اور وہ کس طرح ایمانی غیرت وحمیت، دعوت الی اللہ کی نزاکتوں سے پوری واقفیت اور اس کے شعور کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں، وہ ایک نبی برحق تھے، پوری امت کے لئے اسوہ اور مثال تھے ان کے طریق خطاب سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرماتا ہے، ان کا انداز کلام اور اسلوب خطاب کیا ہوتا ہے، اور ان لوگوں کا انداز کیا ہوتا ہے جو خوشامد اور چاپلوسی کو اپنا شعار بناتے ہیں، اور پیشہ ورانہ انداز میں دعوت کی انجام دہی کا دم بھرتے ہیں اور اپنے آپ کو حقیقت پسند یا "واقعی صورتحال کا اعتراف کرکے کام کرنے والا" شمار کرتے ہیں۔

اللہ کا محبوب ترین بندہ۔ ایک مبغوض ترین بندہ کے پاس جاتا ہے:

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرماتا ہے حضرت موسیٰ اس کے پسندیدہ بندے اور نبی برحق ہیں، مگر کس کی طرف اور کہاں بھیجے جارہے ہیں؟ ایک ایسے دشمن کے پاس جو اللہ کا دشمن ہے، ایک محبوب ترین فرد۔ ایک انتہائی قابل نفرت مخلوق کی طرف بھیجا جارہا ہے، ایک اس کنارے پر ہے، دوسرا اس کے برعکس دوسرے کنارے پر کھڑا ہے، ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں، دو عام انسانوں میں اس درجہ تفاوت نہیں ہوتا۔ یہ تفاوت ایسے دو افراد کے درمیان پایا جاتا ہے، جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اپنے وقت کا سب سے بڑا پیغمبر اس شخص کے پاس بھیجا جارہا ہے جو قدرت حق کو چیلنج کرتا ہے، عظمت خداوندی کو چیلنج کرتا ہے، حدیث قدسی میں جس عظمت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عظمت میری چادر ہے، جو اس کو مجھ سے چھینے گا اس کو پیس کر رکھ دوں گا) فرعون نے اس عظمت خداوندی کو چیلنج کیا تھا، اس کی جرأت بیباکی اور دریدہ دہنی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ:

أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ

(تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں)

کا اعلان کر رہا تھا، ایسے شخص کے پاس جو صرف کفر و انکار کا مرتکب نہیں تھا، بلکہ خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا، ایک مجرم اور قابل نفرت و لعنت وجود کے پاس ایک محبوب شخصیت کو بھیجا جارہا ہے، اور ان کو ہدایت کیا دی جاتی ہے؟

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝ (طٰہٰ - ۴۴)

(اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے)۔

اس ہدایت الٰہی کے بعد کسی داعی و مبلغ کے لئے اس امر کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ دعوت کے کام میں سخت کلامی یا لہجہ کی ترشی سے بات کرے اور اس کی کوئی بھی تاویل کر سکے کیونکہ بیباکی، انکار، سرکشی میں فرعون سے سبقت و فوقیت لے جانے والے شخص کا تصور بھی مشکل ہے، جو یہ کہے "انا ربکم الاعلیٰ"، لیکن اس سے بھی بات کرنے کے لئے جب پیغمبر وقت کو بھیجا گیا تو یہ ہدایت کی گئی کہ نرم لہجہ میں بات کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا کہ فرعون کے دربار میں داخل ہو کر اس کے سامنے کلمۂ حق کہیں تو:۔

قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ۝ (طٰہٰ - ۴۵)

(دونوں کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار

ہیں خوف ہے کہ وہ ہم پر قدغی کرنے لگے، یا زیادہ سرکش ہو جائے)۔

چونکہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ایک نزاکت تھی، اور ان کی پوزیشن میں کمزوری تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝ (طٰہٰ ۔ ۴۶-۵۰)

(ڈرو مت! میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا اور دیکھتا ہوں، پاس جاؤ! اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے اور انھیں عذاب نہ دیجئے ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور جو ہدایت کی بات مانے اس کی سلامتی ہے ہماری طرف سے یہ وحی آئی ہے کہ جو جھٹلائے اور سر پھیرے اس کے لئے عذاب (تیار) ہے۔ (غرض موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے) اس نے کہا تمہارا پروردگار کون ہے؟ کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شئے کو شکل صورت بخشی پھر راہ دکھائی)۔

فرعون کے ترکش کا ایک زہریلا تیر:

فرعون کا شیطانی دماغ تیزی سے کام کرنے لگا اور اس نے اپنے ترکش سے ایک ایسا زہر میں بجھا ہوا تیر نکالا جو کبھی خطا نہیں کرتا، ایسا تیر جو کسی بھی ذہین نے دین زیرک اور دانا و بینا مبلغ پر پھینکا جائے تو بغیر اپنا کام کئے نہ رہے، خواہ وہ مبلغ دین بڑے سے بڑا فاضل روزگار ہو، اور اس نے تبلیغ کے فلسفہ کا مطالعہ کیا ہو، نفسیات کا ماہر ہو، علم الاجتماع (سوشیولوجی) اور فن مناظرہ میں یکتا ہو، جو بھی ہو، اس تیر سے اس کا گھائل ہونا یقینی ہے۔ وہ تیر یہ تھا کہ فرعون نے پوچھا:

فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝ (طٰہٰ ۔ ۵۱)

(تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟)

فرعون کی شیطانی عقل و ذہانت کا ایک نادر سوال تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے دربار میں جو لوگ موجود تھے، ان میں حضرت موسیٰؑ کے خلاف سخت اشتعال اور جذبات پیدا کر دے اور حضرت موسیٰؑ سے اس طرح نجات بھی حاصل کر لے، اس طرح ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا، ایک تو یہ کہ دعوتِ توحید کو نظر انداز کر دے کیوں کہ یہ دعوت اس کے لئے انتہائی بھیانک چیز تھی، توحید کا عقیدہ دلوں کے تار ہلا دیتا ہے، فطرت انسانی کے اندر چھپا ہوا ایمان اس سے ابھر آتا تھا، فرعون کے حاشیہ نشین بھی تو آخر بشر ہی تھے اور ان میں سمجھدار اور ہوشمند لوگ بھی تھے، ایسے بھی ہوں گے جن کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہوگا، لہٰذا ممکن تھا کہ دعوتِ توحید ان کے اندر کا جذبۂ ایمان ابھار دے، لہٰذا فرعون کی یہ کوشش ہوئی کہ وہ کسی طرح اس سوال کو ٹال جائے، اور لوگوں کی نگاہ سے اس سوال کو اوجھل کر دے، اس لئے کہ یہ فرعون کی دکھتی رگ تھی، اور وہ اس عقیدہ سے انتہائی درجہ میں خائف تھا، اس لئے اس نے ایک ایسا سوال کر دیا جس سے اس کے حاشیہ نشین اور مصاحب سب کے سب چوکنے ہو جائیں، اور حضرت موسیٰ کے متعلق یہ محسوس کرنے لگیں کہ یہ ان کو آباء و اجداد کے راستہ سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا اس نے سوال کیا "تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب دہی ہو سکتے تھے، یا تو صاف اور صریح جواب بغیر کسی لاگ لپٹ کے دے دیتے کہ وہ لوگ جہنم میں ہیں:۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۔ (الانبیاء ۔ ۹۸)

(تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا، جھونکنا ہے دوزخ میں، تم کو اس پہنچنا ہے)۔

یہ کہتے تو ظاہر ہے بات کا راستہ ہی بند ہو جاتا، سب غیظ و غضب میں بھر جاتے اور ان کی رگِ حمیت جو در اصل جاہلیت کی رگ تھی، اُبھر آتی، سب یا تو وہاں سے خفا ہو کر نکل جاتے یا سب مل کر حضرت موسیٰ پر ٹوٹ پڑتے، یا شور و ہنگامہ برپا ہو جاتا موسیٰ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہمارے آباء و اجداد کی توہین کرتے ہو، اور ہمارے احساسات کو پامال کرتے ہو؟؟

حکمتِ پیغمبرانہ اور مکمل معجزہ:

دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ حضرت موسیٰ خاموش رہ جاتے، باسیاست و "حکمت" سے کام لیتے مثلاً کہتے کہ جہاں تک بزرگانِ سلف کا تعلق ہے، ان کا احترام ہمارے دل میں بھی ہے، اور وہ لوگ بلاشبہ بڑے عالم و بزرگ تھے اور اس طرح کی منہ دیکھی بات کرتے، اگر ایسا کرتے تو فرعون ہمیں پر ان کو پکڑ لیتا اور کہتا کہ اگر وہ عالم و بزرگ تھے، اور قابلِ احترام تھے، تو ہمارا بھی عقیدہ بعینہٖ وہی ہے جو ان کا عقیدہ تھا۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۖ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝ (طٰہٰ ۔ ۵۲-۵۱)

(کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ کہا، ان کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے)۔

لیکن انھوں نے یہاں سے روئے سخن پھر اس موضوع کی جانب پھیر دیا جو پہلے سے چل رہا تھا، جیسے بات سے بات نکلتی ہے، یہ ممکن تھا کہ وہ فرماتے، ان کے متعلق معلومات تاریخ میں ملیں گی، لیکن اگر ایسا کہتے تو موضوع بحث بدل جاتی، پھر تو فرعون بولنے اور تقریر کرنے لگتا، اور لوگوں کے تصنیف کردہ افسانے جن کو تاریخی روایات کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور جن کی اس کے زمانے اور عہدِ حکومت میں "تاریخی حقائق" کی طرح تعلیم و تلقین کی جاتی ہوگی، ان سے استدلال کرتا، لہٰذا حضرت موسیٰؑ نے ایسی بات کہی جس کا کوئی جواب ہی نہ تھا، اور جس سے کوئی مفر نہیں ہو سکتا تھا:۔

قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۖ (کہا: اس کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہے)۔

ذرا ان الفاظ اور ان کی سادگی اور گہرائی کو ملاحظہ کیجئے، کتنی جچی تلی بات کیسے نپے تلے لفظوں میں کہہ دی، یہ ہے حکمتِ نبوت، دعوت کا انحصار کامل، اگر ہم میں سے کوئی ایسی آزمائش میں پڑ جائے تو ایک نہیں ہزاروں طریقے پر اپنا مقصد ادا کر سکتا ہے، اور مشکل سے نجات پا سکتا ہے، مثلاً کہتے اس کو چھوڑو "یہ بات علیحدہ ہے" میرا مطلب گزشتہ زمانے سے نہیں بلکہ مجھے تو آج کی فکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

دعوت پر پختگی کے ساتھ جمے رہنا اور کسی حال میں اس مقصد کو فراموش نہ کرنا:

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کی بات ترک نہیں کی اور گفتگو کا جو سرا ان کے ہاتھ تھا، اس کو نہیں چھوڑا، اور بہت تیزی سے اصلی موضوع پر آ گئے، اس تیزی سے جس سے زیادہ سرعت اور بلاغت کا تصور نہیں ہو سکتا، اور وہ حکمت اختیار کی جس سے زیادہ گہری حکمت دیکھی نہیں گئی، ایک لفظ میں سارا مسئلہ حل کر دیا "عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي" اور یہ کہتے ہی اپنے موضوع پر آگئے "عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى" (کہا ان کا علم ہمارے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا پروردگار نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اور اپنی بات کا تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا، اور اللہ تعالیٰ کی انہی صفات کا ذکر کرنے لگے جن سے فرعون بھاگنا چاہتا اور بات کا رُخ پھیرنا چاہتا تھا، ایسی مختصر آیت کو پڑھتے ہی ادبی ذوق کو وجد آنے لگتا ہے، ادب و بلاغت کے اس حسین شاہکار سے روح جھوم اٹھتی ہے اور عقل سرِ نیاز خم کر دیتی ہے:۔

عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۖ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ۝ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ۝ (طٰہٰ ۔ ۵۴-۵۲)

(ان کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے، وہی تو ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے جاری کئے اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس نے انواع و اقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے چارپاؤں کو بھی چراؤ، بے شک ان باتوں میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں)۔

فرعون کی فکری پسپائی اور حضرت موسیٰؑ کی استقامت اور کامیابی:

دوسری مثال سورۂ شعراء میں ملتی ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ

لَمَجْنُونٌ ۝ (الشعراء ۲۳ ۔ ۲۷)

فرعون کی یہ فکری پسپائی تھی اور گفتگو کا رُخ بدلنے کی انتہائی چالاک کوشش، وہ چاہتا تھا کہ اصل موضوع سے لوگوں کی توجہ ہٹا دے، اپنی قوتِ گفتار، انسانی و قومی نفسیات سے واقفیت (جو ایک تجربہ کار حکمراں کو حاصل ہوتی ہے) اور سیاسی داؤ پیچ سے بات کو ٹال دے، اور حضرت موسیٰ سے نمٹ لے، ادھر حضرت موسیٰؑ کا کل یہ تھا کہ وہ موضوع سے ذرا بھی ٹلنے کے لئے تیار نہیں تھے، فرعون نے کہا "وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ" (سارے جہانوں کا پروردگار کیا؟) وہ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کوئی ایسا جواب دیں جس سے بات دوسرا رُخ اختیار کر لے اور مناظرہ چل پڑے لیکن حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی دکھتی رگ پکڑی، "قال رب السمٰوٰت والارض وما بینھما ان کنتم موقنین" (فرمایا وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کا جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ بشرطیکہ تم یقین کرو) اس کا مطلب یہ تھا کہ خود فرعون کا تخت سلطنت ایسا ہے، جس کے کوئی پائے نہیں ہیں، مگر انھوں نے یہ کہا نہیں، اور صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا"، بلکہ یہ بھی ساتھ کہہ دیا، "إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ" (بشرطیکہ تم یقین کرو) اس طرح چیلنج کر دیا اور اصل مرض کی نشاندہی فرما دی (اگر تم یقین کرتے ہو یعنی تم ایمان سے محروم ہو، اگر ایمان ہوتا تو دیکھ سکتے تھے کہ سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان ہر شئی کا مالک اور پروردگار ہے۔

فرعون کے ترکش میں ایک ہی تیر تھا جس کو اس نے آزمالیا:

فرعون کے پاس حضرت موسیٰ کی زبان بندی اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کا ایک ہی ذریعہ تھا، جس کو وہ بار بار استعمال کر رہا تھا، قرآن کریم نے اس کو شروع پراپوں میں ذکر کیا ہے "قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ" اپنے ہالی موالی سے کہا "أَلَا تَسْتَمِعُونَ" سنتے نہیں؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں! یعنی کیا تمہاری رگِ حمیت نہیں بھڑکتی؟ تمھیں غیرت نہیں آتی؟ تم کو میری طرف سے جواب دینے اور منہ بند کرنے کی ہمت نہیں ہوتی؟ سنتے نہیں یہ کیا کہہ رہا ہے!! لیکن قبل اس کے کہ وہ بولتے ان میں جوش پیدا ہوتا، حضرت موسیٰؑ نے بات پوری کر دی "رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ" (تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا پروردگار ہے) فرعون نے پھر ایک بار کوشش کی کہ اس بات کو ہوا میں اڑا دے، اور تحقیر کے انداز میں مذاق اڑانے کا اسلوب اختیار کیا "إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ" (یہ تمہارا پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، پاگل ہے) فرعون سمجھتا ہوگا کہ حضرت موسیٰ اس بات کے جواب میں اپنی مدافعت کریں گے اور کہیں گے کہ نہیں میں پاگل نہیں ہوں۔

فرعونی ترکش کا آخری تیر:

فرعون اس انسانی کمزوری سے واقف تھا کہ اگر کسی شخص کی ذات پر حملہ کیا جاتا ہے تو وہ اشتعال میں آ جاتا ہے، اس سے اپنی توہین برداشت نہیں ہوتی، قرآن کریم نے اس ماحول اور مناظرہ کی وہ منظر کشی کی ہے، جیسے ہم دیکھ اور سن رہے ہیں، فرعون سمجھتا تھا کہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ پھر پڑیں گے اور کہیں گے کہ کون کہتا ہے کہ میں پاگل ہوں، بلاؤ کسی ڈاکٹر حکیم کو، کسی ماہر امراض کو میرا معائنہ کرے، فرعون نے جب حضرت موسیٰ کو باؤلا اور پاگل کہا تو اس کا یہی مقصد تھا، لیکن حضرت موسیٰؑ نے سب سنی ان سنی کر کے اپنی ہی بات جاری رکھی:۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (الشعراء ۔ ۲۸)

(کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو)

حضرت موسیٰؑ نے اپنی بابت کچھ نہیں کہا، نہ اپنی مدافعت میں ایک لفظ بولے، وہ اللہ کے فرستادہ پیغمبر برحق تھے، ان کے سپرد یہ مہم تھی کہ اللہ کے دین کی ان کو دعوت دیں، یہ سب باتیں (باؤلا پاگل کہنا) ان کو یہ افروختہ نہیں کر سکتی تھیں اور ان کی دعوتِ حق کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا تھی، اور ایسے ماحول میں جس پر شرک چھایا ہوا ہو، جس میں بت پرستی عام ہو، جس میں جرائم اور معاصی کی پرورش ہو رہی ہو، جہاں آبرو باختہ، بااثر افراد کی پگڑیاں اچھالنے کے درپے ہوں جس ماحول میں معصوم بچے اور بے گناہ افراد قتل کئے جاتے ہوں، ایسے ماحول میں مجنون اور پاگل کی پھبتی اور چوٹ کوئی بڑی بات نہ تھی، لہٰذا انھوں نے سنی ان سنی کر کے فرمایا کہ وہ رب وہی رب ہے، جو مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب کا پروردگار ہے، اس پر مزید ایک لفظ بڑھا دیا، "إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ"۔

یہ تیر فرعون کے جگر کو چھلنی کر گیا، وہ تو سمجھتا تھا کہ مصر میں وہی رب المشرق والمغرب ہے، اس کی سمجھ یہی تھی کہ سارا عالم مصر سے عبارت ہے، اور وہ چونکہ مصر کا مالک ہے لہٰذا سارا عالم اس کے قدموں کے نیچے ہے، حضرت موسیٰ نے مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان دنیا کا ذکر کر کے اس کے غرور حکمرانی پر ضرب کاری لگائی اور وہ بنیاد ہی ڈھا دی جس پر فرعون کی جھوٹی خدائی کی عمارت قائم تھی اور جس پر اس کو بڑا ناز تھا۔

پیغمبرانہ دعوت و حکمت کا یہ ایک نمونہ تھا، اس نمونہ میں دعوت دینے والا اور جس کو دعوت دی گئی ہے دونوں کی نوعیتیں مختلف اور جداگانہ

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

اِدھر بھی ایک نظر

کلامِ صوفی: قیمت: چالیس روپے

حضرت سید عبدالرب صوفی رحمۃ اللہ علیہ کا منتخب کلام ایک مردِ مومن کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پکار جس کے لفظ لفظ سے امت کا درد اور للّٰہیت ٹپکتی ہے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اور شاہ محمد ابراہیم ایم۔ اے کے بیش بہا مقدمات سے مزین۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت۔ جلد۔ ہر چیز معیاری۔

کتاب کے ابواب: حمد۔ نعت۔ مدح صحابہؓ۔ یادِ حکوم۔ ایمانی شجاعت۔ اصلاحِ امت۔ تحریکِ ایمان۔ دردِ ملت۔ ردِ بدعت۔ مناظرانہ جوابات۔ رموزِ فطرت۔ سوز و ساز اللہ والوں سے محبت۔ دعائیں۔

ہر باب کے ذیل میں گوناگوں عنوانات۔ پانچ سو سے زائد صفحات۔ سائز ۱۷×۱۱

اہم سفر: قیمت: چار روپے

قرآن و حدیث اور بزرگوں کے کلام سے ایسے مؤثر مضامین۔ حکایات اور اشعار جو سفرِ آخرت کی تیاری کی فکر پیدا کر دیں، نیز اس سفر سے متعلق مسائل بھی۔

تحریکِ ایمان: قیمت: دو روپے

تبلیغی کام اور دینی دعوت سے متعلق حضرت سید عبدالرب صوفی رحمۃ اللہ علیہ کی دل گداز اور پُرسوز نظمیں جن پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا مبسوط اور مؤثر پیش لفظ بھی ہے۔

زبانی نصاب: قیمت: چار روپے

مسنون دعائیں۔ اسلامی آداب۔ اور دینی جذبہ کو اُبھارنے والی نظموں کا مجموعہ مکاتیبِ اسلامیہ کے نصاب میں داخل کئے جانے کے لائق کتاب۔

نقشہ دینی نصاب: قیمت: پچاس پیسے

قرآن مجید صحیح پڑھنے پڑھانے کے ضروری قواعد۔ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں مفید ہدایات۔ کم وقت میں ضروریاتِ دین پڑھانے کا نصاب وغیرہ۔

روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کے لئے

آسان رزق (اردو) تین روپے۔ آسان رزق (گجراتی) تین روپے۔

آسمانی روٹی ڈیڑھ روپیہ۔ راہِ امن ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: محمد یونس صدیقی، خادم مدرسہ دعوۃ الحق۔ کڈی۔ اتر گجرات

P.O. KADI. N. GUJRAT.

حج کی فرضیت و فضائل

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حج کی فرضیت:

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، اسی طرح حج۔ اس کی فرضیت قرآن شریف، حدیث شریف اجماع اور عقل ہر طرح سے ثابت ہے۔ اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے۔ ہر اس شخص پر جو آزاد، عاقل، بالغ تندرست ہو اور اس کے پاس اپنی اولاد اور جن کے بیوی بچوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد اتنا مال ہو کہ اس سے مکہ مکرمہ جانے آنے اور دوران سفر کے اخراجات پورے ہو سکیں، عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے جس کی ادائیگی زندگی بھر میں ضروری ہوتی ہے، حج کی استطاعت کے ہونے کی صورت میں بھی حج نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہت بڑا قرار دیا گیا ہے۔ اور اس پر بڑی وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (سورہ آل عمران، ۹)

"اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو کوئی پاوے اس تک راہ، اور جو کوئی منکر ہوا، تو اللہ بےپروا ہے، کھتا جہان کے لوگوں کی۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کو جلدی کرنا چاہئے۔ اور فرمایا:۔

"جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا مرض شدید یا ظالم بادشاہ نے نہیں روکا اور وہ بلا حج مر گیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔"

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج کا نہ کرنا کفر کی طرح کی بات ہے۔ اور حدیث شریف سے کھلا ہوا اشارہ مل رہا ہے کہ حج نہ کرنا گویا اسلام سے رشتہ ناطہ توڑ دینا ہے یا اسلام سے بے تعلقی کے مرادف ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ان فرمودات کے بعد کسی مسلمان کے لئے حج ترک کرنے یا اس کی ادائیگی میں سستی و کوتاہی کرنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے، بہت ڈرنے کی بات ہے۔ حج کی استطاعت ہوتے ہی کسی بھی مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے، کیونکہ خدا نخواستہ اگر حج نہ کر سکا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہوگا۔

حج کے فضائل:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"جس شخص نے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے حج کیا اور اس میں جماع، فحش باتوں اور گناہوں سے بچا رہا تو وہ ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسا کہ وہ پیدا ہونے کے وقت بے گناہ تھا۔"

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو حاجی سوار ہو کر حج کرتا ہے اس کی سواری کے ہر قدم پر ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جو پیدل حج کرتا ہے اس کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے لکھی جاتی ہیں۔

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ "حج میں خرچ کرنے کا ثواب جہاد میں خرچ کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے، جو دونوں عمروں کے درمیان ہوں۔ اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔"

عمرہ و حج کا فرق:

عمرہ چھوٹا حج ہے اس لئے اس کو حج اصغر بھی کہا جاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں حج کو حج اکبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عمرہ اور حج میں فرق یہ ہے کہ حج میں جتنی شرطیں ہیں، اور وہ جتنی تفصیل سے ضروری ہیں، اتنی عمرہ میں نہیں ہیں، عمرہ سال کے کسی بھی حصہ میں ہو سکتا ہے سوائے صرف ان چار پانچ دنوں کے جن میں حج کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن حج صرف اپنے مقررہ دنوں میں کیا جا سکتا ہے۔ عمرہ میں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات جانے اور دم یا کے شعائر ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے۔ اس میں صرف طواف اور سعی کافی قرار دی گئی ہے۔ جب کہ حج میں ان مذکورہ جگہوں پر بھی جانا اور وہاں کے شعائر ادا کرنا ضروری ہیں۔ عرفات کی حاضری کے بغیر حج ہوتا ہی نہیں۔

حج مبرور:

حج مبرور وہ حج ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہو بعض علماء کہتے ہیں کہ مقبول حج کا نام حج مبرور ہے بعض کہتے ہیں کہ جس میں نام و نمود اور دکھاوا نہ ہو وہ حج مبرور ہے۔ بہرحال حج کی جو بہترین اور اعلیٰ قسم ہو سکتی ہے وہ حج مبرور ہے۔ ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ حج مبرور کی سعادت عطا فرمائے آمین!

حج کی ادائگی کب صحیح ہے:

۱۔ صحیح یہ ہے کہ جب حج کے شرائط پائے جائیں تو بلا تاخیر حج کرنا چاہئے۔ دوسرے سال پر اٹھا رکھنا اچھا نہیں۔

۲۔ ناجائز مال سے حج کرنا حرام ہے۔

۳۔ کسی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہوں یا کسی کا قرضہ اس کے ذمہ ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو، یا کسی کی ضمانت ہو تو ان سب صورتوں میں ماں باپ سے یا قرض خواہ سے یا جس سے ضمانت کی ہو اس سے اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔ بلا اجازت حج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن جس کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج نہ ہوں اس کو اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ بے بے تو اچھا ہے۔

۴۔ عورت حج کو جائے تو ضروری ہے کہ ساتھ میں شوہر یا کوئی ایسا آدمی ہو جس سے اس کا نکاح درست نہ ہو جیسے باپ، چچا، بھائی، بیٹا یا دودھ شریک بھائی یا سسر وغیرہ ایسے ساتھ کے بغیر عورت کا سفر کرنا جائز نہیں ہے اگر کرے گی تو گنہ گار ہوگی۔

حج بدل:

جو ذی حیثیت مسلمان اس درجہ معذور ہو گیا ہے کہ اب خود حج ادا نہ کر سکتا ہو، یا اس کا انتقال ہو گیا ہو اور اس کی اولاد اس کی طرف سے نفلی حج ادا کرنا چاہے تو اس کے لئے حج بدل کی صورت ممکن ہے اس کے لئے کسی ایسے مسلمان کو جو خود اپنا حج کر چکا ہو اس ذی حیثیت شخص کے وطن سے حرمین شریفین تک پھر واپسی اس کے وطن تک کے قیام و طعام و سفر کے تمام ضروری اخراجات دے کر حج کرنے کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔

حج بدل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہو اس کی نیت سے اس طرح حج کرے جیسا اپنا حج کرتا، اس کے دیئے ہوئے مصارف کو صرف مقصد سفر اور اس کے ضروری متعلقات ہی میں خرچ کرے، اپنی ذاتی ضروریات میں صرف نہ کرے، کھانے پینے نیز قیام کے مصارف بھی حج بدل کے مصارف میں شمار کئے جائیں گے۔ اگر حج بدل میں بھیجنے والا آزادانہ مصارف کی اجازت دیدے تو اس کو آزادانہ طریقہ پر خرچ کرنا جائز ہے۔

جن لوگوں نے اپنا حج پہلے کبھی نہ کیا ہو تو ان کو بھی حج بدل میں بھیجا جا سکتا ہے لیکن اس کی کچھ شرطیں اور تفصیل ہیں ایسا کرنے والے کو مفتی سے معلوم کر لینا چاہئے۔

حج شروع کرنے سے قبل کرنے کے کام:

حج سے پہلے تمام گناہوں سے اس طرح توبہ کرنی چاہئے کہ اپنے کئے پر دل سے نادم و شرمندہ ہو اور خدا سے اس کی معافی چاہے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرے اگر حقوق اللہ (نماز روزہ) قضا کئے ہیں تو ان کی قضا کرے۔ کسی آدمی کا کوئی مالی حق اس کے ذمہ ہو تو اس کو ادا کرے یا معاف کرائے اور اگر کسی کا دل دکھایا ہے یا غیبت کی ہے، تو اس کو بھی صاحب حق سے معاف کرائے اپنا حق معاف کرانے اور اپنے رشتہ داروں یا دوستوں سے رخصت ہونے اور ان سے دعا کی درخواست کرنے کے لئے خود ان کے گھر جائے۔ اور جب حاجی حج سے واپس آئے تو وہ لوگ ان سے ملنے اور دعا کرانے آئیں۔

سید محمد الحسنی

مقصد سے عشق اور راستہ کا یقین

کسی تحریک و دعوت کو کامیابی کی منزل تک پہونچانے، اور کسی محبوب و عزیز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے، صرف اپنی دعوت اور اپنے مقصد پر یقین کافی نہیں، مقصد پر یقین بے شک اس راہ کی اولین شرط ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اپنے مسلک، طریقۂ کار اور راہ عمل پر بھی کلی یقین و اعتماد ضروری ہے، متردد یا شکستہ خاطر ہو کر یا سرد مہری اور بےدلی (HALF HEARTEDLY) سے کوئی معمولی کام بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچایا جا سکتا۔

مقصد خواہ کتنا ہی رفیع ہو، عقیدہ خواہ کتنا ہی مضبوط ہو، جذبہ چاہے جتنا بھی لاقتور ہو، اگر اس کے راستہ پر (جو اس مقصد کے حصول کے لئے ہم نے اختیار کیا ہے) ہم کو پورا بھروسہ نہیں، ہم پورے اعتماد و یقین کے ساتھ اس کی دعوت نہیں دے رہے ہیں، ہمارے لہجہ میں وہ بےخوفی یا وہ استحکام نہیں ہے جو کسی مشاہدہ یا مشاہدہ کے درجہ والے یقین یا اپنے مسلسل تجربہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے تو ہماری یہ دعوت کبھی زیادہ وسعت اختیار نہیں کر سکتی۔

لیکن طریقۂ کار، مسلک اور طرز فکر پر یقین تعصب کے ہر شائبہ، انتہا پسندی، مبالغہ آرائی یا سخت گیری کے ہر اثر سے پاک ہونا چاہئے، اس کا رخ تعمیری ہونا چاہئے، نہ کہ تخریبی، مثبت نہ کہ منفی، مصالحانہ نہ کہ جارحانہ۔ اجتماعیت کی روح کے ساتھ نہ کہ انفرادیت پسندی یا خود پسندی کے جذبہ کے ساتھ۔

اگر چلنے والوں کو اپنے راستہ کی سمت اور صحت کا یقین نہیں ہے تو اس کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اُن لوگوں کے نعروں اور ان تحریکوں اور دعوتوں کا شکار آسانی کے ساتھ ہو جائیں گے جو اپنی راہ و منزل پر بہت زیادہ یقین رکھتی ہیں۔

مثال کے طور پر مادی زندگی کی خوشحالی، معاشی ترقی یا جنسی آزادی کے داعی اگر اپنے تجربات اور کوششوں کے نتیجہ میں اپنے شبہ اور بےیقینی میں ہم سے زیادہ یقین رکھتے ہیں، تو ان کا یہ یقین ہماری بےیقینی یا تردد کی کیفیت پر غالب آجائے گا۔

صرف یہی نہیں بہت سی تعمیری تحریکیں اور دعوتیں بھی جو اپنا مخصوص طریقۂ کار رکھتی ہیں، ہم پر محض اس بنیاد پر غالب آئیں گی یا ہمارے اندر سست رفتاری پیدا کر دیں گی۔ کہ ہمارے اندر اس درجہ کا اعتماد و یقین نہیں ہے۔

یقین ہر دعوت کی سب سے بڑی طاقت ہے، خواہ وہ تعلیمی دعوت ہو یا اصلاحی، فکری ہو یا دعوتی، سیاسی ہو یا اجتماعی۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت عظیم الشان مقصد، ایک معمولی اور حقیر مقصد کے محض اس لئے مغلوب ہو جائے کہ اس کے پیچھے یقین کا سرمایہ نہیں۔

یہ وہی فرق ہے جو صورت اور حقیقت میں ہے ایک معمولی حقیقت بڑی سے بڑی صورت پر غالب آتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض مقاصد کی بلندی اور بہترین منصوبے اور نقشے ہمیں کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتے۔ اس کے ساتھ نہ صرف مقصد سے عشق، بلکہ اس کے راستہ سے عشق بھی ضروری ہے مقصد پر یقین کے ساتھ اس کے راستہ پر بھی یقین درکار ہے۔

اگر منزل ہم کو دور سے نظر بھی آ رہی ہو۔ لیکن اس کے راستوں کا ہمیں صحیح علم نہ ہو، اور اگر کوئی راستہ ہمیں معلوم بھی ہو تو اس پر پورا جزم اور یقین نہ ہو۔ تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ہمارے قدم آگے بڑھنے سے ہچکچائیں گے، کم از کم ہم دوسروں کو زیادہ قوت کے ساتھ اس راستہ کی طرف نہیں بلا سکیں گے۔

یہ مسئلہ کسی مسلک اور طرز فکر یا راہ عمل پر اصرار کا نہیں، جو بھی مسلک یا راہ عمل ہم پسند کر چکے ہیں اور اس پر چلنا چاہتے ہیں اس پر یقین و اعتماد کا ہے۔

دوسرے راستوں اور طریقوں کی تحقیر اور چیز ہے، اور اپنے طے کئے ہوئے، تجربہ میں آئے ہوئے، یا غور و فکر کے بعد اختیار کئے ہوئے راستہ پر یقین اور اس سے شغف اور عشق اور چیز ہے، دونوں چیزوں میں کوئی تعلق نہیں،

اسی بات کو قرآن مجید میں اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

قل كل يعمل على شاكلته ۚ فربكم اعلم بمن هو اهدى سبيلا۔ (بنی اسرائیل۔ ۸۴)

(اے پیغمبرؐ!) کہدو ہر انسان اپنے طور طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے، پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کون سب سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہے)۔

اور دوسری جگہ آیا ہے:۔

لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا۔ (مائدہ۔ ۵۳)

(تم میں سے ہر ایک گروہ کے لئے ہم نے ایک شرع اور منہاج ٹھہرا دی (یعنی ہر ایک زندگی کا دستور، اصول اور طریقہ ٹھہرا دیا)۔

اسلام و لادینیت کی اس سخت و خونریز کشمکش میں جو عالم اسلام کے طول و عرض میں جاری ہے، اور تحریکوں، دعوتوں، فلسفوں اور نظام ہائے عمل کی اس بے رحم دنیا میں جو ہر وقت مقابلہ کے لئے کمربستہ ہے ــــ جو چیز ہماری حفاظت کر سکتی ہے وہ ہے،

"مقصد سے عشق ــــ اور اپنے راستہ کا یقین"

بلاشبہ ضرورت کے وقت راستہ کی تبدیلی ضروری ہو جاتی ہے، اور اس موقع پر اس پر بےجا اصرار، جہالت اور عناد کے اور کچھ نہ کہا جائے گا، لیکن ایک بار سوچ سمجھ کر، مختلف مرحلوں سے گزرنے کے بعد کسی راہ کو اختیار کرنا، پھر اس کے بعد جھجکتے ہوئے قدم ــــ صرف اس بات کی علامت ہیں کہ ابھی ہم کو خود اس پر پورا یقین نہیں۔ دوسروں کے اندر یہ یقین کی شمع روشن کرنا بہت دور کی بات ہے۔

ان تمام تعلیمیافتہ اور ملت کا درد رکھنے والے افراد کو جو مختلف دعوتوں مختلف کاموں اور مختلف مدارس فکر سے وابستہ ہیں دیانتاً فوقتاً یہ جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہمارے اندر یقین کی وہ کیفیت اور وہ بےچینی و بےقراری اور بےآرامی و اضطراب ہے یا نہیں جو اسکالازمی خاصہ اور اسکی پہچان ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جو راستہ ہم نے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اس پر ہمارے قدم

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

بمبئی میں
خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
اس کے علاوہ عصرانہ بہت عمدہ
ڈرائی فروٹ برفی
بلک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو سلائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
عمدہ کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی ۳۲۰۰۵۰
شاخ:۔ ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳

اللہ رے سناٹا، آواز نہیں آتی

(جب کوئی قوم مردہ ہو جاتی ہے)

از: استاد محمد محمود الحافظ الندوی ایڈیٹر عربی ہفتہ وار اخبار عالم عربی مکہ مکرمہ۔ ترجمہ: محمد اکرم ندوی

موت اس کا نام نہیں کہ انسان اس دنیائے فانی سے حیات جاودانی میں منتقل ہو جائے اس لحاظ سے تو ہر فرد بشر موت کا مزہ چکھے گا، اور ہر چیز فنا سے دوچار ہوگی، موت درحقیقت قلب وضمیر، شرافت وعزت اور غیرت ونخوت کا ختم ہو جانا ہے، خواہ انسان اس موت کو خود اپنے اوپر مسلط کرے یا دوسرے اس پر مسلط کر دیں۔

ہماری امت عربیہ بلکہ امت اسلامیہ طنجہ سے لے کر جاکرتا تک نہایت ذلت وخواری کی موت مر رہی ہے اسرائیل کے روپ میں امریکہ کی اس پانچویں جنگ نے یہ طے کر لیا ہے کہ عرب قوم غیظ وغضب اور رنج والم میں گھٹ گھٹ کر مر جائے۔

آج ہم پوری دنیائے اسلام پر نظر ڈالتے ہیں اور کروڑوں کی تعداد میں بسنے والی امت مسلمہ کو دیکھتے ہیں تو ہر طرف ہو کا عالم اور موت کا سایہ نظر آتا ہے، جیسے اس کے اعصاب سُن ہیں، نہ وہ دیکھتی ہے اور نہ ہی اس کے اندر احساس وشعور ہے۔

جب اسرائیل نے ہماری اس کمزوری کو بھانپ لیا تو اس نے اس خطرناک کارروائی کے لئے قدم اٹھایا جس کے نتائج آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، چالیس سال سے جلاوطن (فلسطین کی) عرب قوم کو اسرائیل نے مسلسل قتل وخونریزی اور غارتگری کا نشانہ بنایا، اور اس کے ساتھ اس نے ہر طرح کا غیر انسانی سلوک روا رکھا ہے، یہ سب کچھ ہو رہا ہے مگر سارا عالم عرب بلکہ سارا عالم اسلام خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔

ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ پورا عالم اسلام بے جان مردہ ہے، آہ یہ ذلت وخواری کی موت۔

لبنان کی حالیہ جنگ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ دنیا کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی یہ امت فانی لذتوں اور مفاد پرستی میں سرتاپا ڈوبی ہوئی ہے جو ہر شرافت وجوانمردی کھو کر اپنے ان عرب اور مسلم بھائیوں سے غافل ہے جن کو اسرائیلی درندے لبنان کی سرزمین میں انتہائی بربریت ووحشیت کے ساتھ قتل کر رہے ہیں۔

سرزمین لبنان میں فلسطینیوں اور لبنانی مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہ ہماری تاریخ کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے اور اس امت مسلمہ کے لئے ذلت وخواری کی انتہا ہے جس نے اپنے سر کو اپنے خبیث دشمن اسرائیل کے سامنے ذلت کے ساتھ ٹیک دیا ہے وہ اس کو اپنے قدموں سے روند رہا ہے، ان کی جائدادوں کو پامال اور عورتوں بچوں کو روئی کی طرح دُھن رہا ہے۔

تُف ہے اس قوم پر جس کے لئے خیر خواہوں اور ہمدردوں کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو۔

تُف ہے اس قوم پر جو دنیاوی لذتوں میں منہمک ہو اور اس کا دشمن اس کی تاریخ کو داغدار اور اس کی شرافت وعزت کو پامال کر رہا ہو۔

تف ہے اس قوم پر جو شکست کھائے اور اسے شکست کا احساس بھی نہ ہو، اور یہ بھی نہ سمجھے کہ دشمن کے ناپاک قدم اس کے وطن کو روند رہے ہیں۔

سرزمین لبنان پر فلسطینیوں کے دشمن اسرائیل نے جو کچھ کیا ہے اس کے بعد کس چیز کا انتظار ہے؟ آخر اس عار وذلت کے بعد ہماری قوم کس چیز کا انتظار کر رہی ہے؟ ہائے ذلت، ہائے رسوائی، یہ سب ہو رہا ہے اور ہم غافل بیٹھے ہیں۔

بقیہ ص ۹

نظر آتی ہیں، دعوت کا موضوع پیچیدہ اور نازک تھا، اور داعی کی پوزیشن بڑی نازک اور کشمکش والی تھی، جس کو دعوت دی جا رہی تھی وہ ایک شہنشاہ اور حکمران مطلق العنان تھا، اسی لئے اس نمونۂ دعوت کا مطالعہ ہماری خصوصی توجہ کا طالب ہے، اس سے دور رس نتائج نکل سکتے ہیں، اور اس سے طریق دعوت کے واضح اصول وہدایات اخذ کی جا سکتی ہیں، جن سے دعوت کی فکری تعمیر اور عملی خاکہ بنانے میں بیش قیمت مدد مل سکتی ہے۔

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر

ابن غوری۔ بھونگیس

۱۔ وہ قوم جو اپنے خالق کے سامنے (قولاً تو نہیں لیکن عملاً، اور پابندی سے) سرِ عبادت خم کرنے میں بے پرواہی برتے؛

۲۔ وہ قوم جو تیس روز تک اپنے مولا کے حضور حاضری دینے کے بعد اکتیسویں دن اس کے دربار سے منحرف ہو جائے؛

۳۔ وہ قوم جو غیر یقینی رزق کی آواز پر تو صبح کاذب ہی جاگ اٹھے لیکن رزاق کی طرف سے بالیقین حی علی الفلاح کی آواز پر بے دار نہ ہو؛

۴۔ وہ قوم جو نماز میں تو ایاك نستعين کہے لیکن سلام پھیرتے ہی ..... استادہ ہو کر غیر اللہ سے استعانت کرے؛

۵۔ وہ قوم جو اپنے نبیؐ کی لائی ہوئی امانت عظمیٰ کو مخلوق تک پہونچانے میں سراسر غفلت کرے؛

۶۔ وہ قوم جس کے ربّانیون رحمۃ للعالمینؐ کے، ایک کافر بڑھیا کا سامان اٹھانے کا واقعہ تو بیان کریں لیکن وہ خود مسلمان آفت زدوں میں پہنچ کر حرفِ تسلّی نہ کہہ سکیں؛

۷۔ وہ قوم جس کے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ اُس کی بدزبانی سے ...... بے دین بھی شرما جائیں؛

۸۔ وہ قوم جس کے چہرے اور لباس، اور ہی دین کی اور تہذیب کی، نمائندگی کریں؛

۹۔ وہ قوم جس نے معاملات کے میدان میں غیروں کے سامنے اپنا نقشہ ہی بگاڑ دیا؛

۱۰۔ وہ قوم جو جوشیلی تقریروں پر تو نعرے بلند کرے لیکن ہوش کی باتوں پر کان نہ دھرے؛

۱۱۔ وہ قوم جو اپنی مدد آپ کا مطلب صرف نفس کے تقاضوں کو سمجھے ملت کے مفاد کو نہیں؛

۱۲۔ وہ قوم جس کی جیب قوالیوں اور مشاعروں وغیرہ کے لئے تو قہقہہ لگائے لیکن امت کے محتاجوں اور فلاحی اغراض کے لئے مشکل سے مسکرائے؛

۱۳۔ وہ قوم جس کے پیر و جوان کسی حال میں بھی لہو ولعب (سینما بینی وغیرہ) کو ترک نہ کریں؛

۱۴۔ وہ قوم جس کے ایک مصیبت کے سیلاب زدہ طبقہ میں تو مٹی کا چراغ بھی نہ ہو اور اس کے مکانوں اور دوکانوں میں رنگ ونور کا سیلاب ہو؛

۱۵۔ وہ قوم جس کی بے سہارا بٹیا تو لال جوڑوں اور پیلے رنگوں کے ایک ایک رقعہ پر دو دو روپے صرف کرے؛

۱۶۔ وہ قوم جس کی مائیں بے حجابی کو خواہ مخواہ اختیار کرنے لگیں، اس قوم کو کیا حق

۱۷۔ پہنچتا ہوگا کہ یوں آواز بلند کرے

ع رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر

اور بنیاد ہی کیا ہے اغیار سے شکایت کی کہ وہ ہم سے الفت کا معاملہ کرے۔ آخر

ع ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

۔ کلید کامیابی تو صرف ایک ہے!

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھو

(رسولؐ جو تم کو دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ)

جزائر فیجی —— اور وہاں کی مسلم اقلیت

جنوبی بحرالکاہل کا علاقہ وسیع وعریض رقبہ پر پھیلا ہوا ہے اور چھوٹے بڑے ہزار ہا جزائر پر مشتمل ہے۔ مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، جزائر نیوکیلی ڈونیا اور کے جزائر میں مقیم ہیں۔ نیوزی لینڈ میں مسلم آبادی انٹرنیشنل مسلم ایسوسی ایشن آف نیوزی لینڈ (انکارپوریٹڈ) اور مسلم طلبا کی بھی ایک تنظیم یہاں کے سب سے بڑے شہر آک لینڈ میں موجود ہے۔ یہاں پر ایک مسلم مدرسہ اور مسجد زیر تعمیر ہیں۔ علماء جدید علوم سے بھی بہرہ ور ہیں، اور مبلغین نیز اسلامی لٹریچر کی کمی یہاں شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

آسٹریلیا کی سوا کروڑ سے زیادہ کی آبادی میں کوئی پندرہ ہزار سے زائد مسلمان ہیں، جن میں بلقان ریاستوں کے مہاجر اور تارکین وطن بھی شامل ہیں۔ تمام بڑے شہروں میں مساجد، اسلامی سوسائٹیاں اور طلبا کی تنظیمیں قائم ہیں۔ اور انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر نیز مسلم اسکول کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے جو یہاں کے اہم مسائل ہیں۔ جزائر نیوکیلی ڈونیا جو کہ پہلے فرانسیسی استعمار کے زیر اثر تھا وہاں بھی ایک ہزار کے قریب مسلمان موجود ہیں۔ جن کا اصل تعلق صومالیہ (افریقہ) سے ہے اور یہاں بھی مسلم اسکول، مسجد اور مسلمانوں کی تنظیم کی سخت ضرورت ہے۔ جزائر فیجی کے حالات کا جائزہ ہم ذرا تفصیل سے لیں گے۔

یہ چھوٹے بڑے جزائر جن کی تعداد ۸۴۴ کے قریب ہے، ۷۰۰۰ مربع میل کے رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ رقبہ کا تقریباً ۹۰ فیصد حصہ دو بڑے جزیرے وٹی لیوو (VITI LEVU) اور وانا لیوو (VANUA LEVU) نے گھیر رکھا ہے دارالحکومت سووا (SUVA) سڈنی سے تقریباً ۲۰۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ فیجی میں ۷۰ انچ سے ۱۲۰ انچ سالانہ تک بارش ہوتی ہے۔ آب وہوا مرطوب ہے اور درجہ حرارت تقریباً سارا سال یکساں رہتا ہے۔ (24 C°) بڑی پیداوار گنا اور ناریل ہے کیلا، مچھلی، مینگانیز دھات، سونا اور سیاحت بھی بڑے ذرائع آمدنی ہیں۔

ان جزائر کو ۱۶۴۳ء میں ایبل تسمین (ABEL TASMAN) نے دریافت کیا۔ کیپٹن کک (COOK) یہاں ۱۷۷۴ء میں پہنچا اور ۱۷۹۶ء میں کیپٹن ولسن فیجی میں آیا مگر باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ جزائر فیجی کا سروے ۱۸۴۰ء میں ایک امریکی ٹیم نے کیا۔ اور تین ماہ کے اندر یہ مطالعاتی دورہ مکمل ہوا۔

اب یورپی لوگوں سے فیجی کے روابط قائم ہوئے اور یورپ کے اچھے اور برے اثرات بھی ادھر پہنچنے لگے۔ یورپ کی بیماریاں مثلاً خسرہ وغیرہ ادھر آئیں۔ اور اسلحہ اور شراب ومنشیات کا داخلہ بھی ممکن ہوا۔ زیادہ تر یورپین فیجی میں تاجر کے بھیس میں آئے۔ کچھ آسٹریلیا کے مفرور ملزم تھے۔ اور کچھ ملاحوں اور مشنریوں کے روپ میں یہاں پہنچے۔

۱۸۹۷ء میں کچھ پروٹسٹنٹ مشنریوں نے عیسائیت کا پرچار شروع کیا۔ یہاں کے اصل باشندوں کا آبائی مذہب بت پرستی اور ماوراء العقل عقائد اور توہمات پر مبنی تھا۔ اور ان میں سے بعض قبائل آدم خوری جیسی عادات بد میں مبتلا تھے۔ عیسائیت کے لئے منظم کام یہاں لندن مشنری سوسائٹی نے شروع کیا جس نے بعد میں عیسائیوں کے ویزلین گروپ سے اشتراک عمل کر لیا۔

ساتھ ساتھ سفید فام استعمار اپنی مکارانہ فریب کاریوں سے یہاں قدم جماتا گیا۔ قبائلی سرداروں کی باہمی خانہ جنگی بھی ان کے کام آئی۔ یہاں کی صندل کی لکڑی کی تجارت بھی انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی جس کی چین، ہندوستان وغیرہ میں بہت مانگ تھی۔ ان لوگوں نے یہاں گنے اور کپاس کی کاشت بھی شروع کی اور مقامی لوگوں سے ان ہی کی زمین پر جبری کاشت کاری کروائی۔ سفید فاموں کے مسلسل دبائے سے مجبور ہو کر اور اپنے یورپی مشیروں کے کہنے پر فیجی کے بادشاہ نے ۱۸۵۸ء میں ملک کو برطانیہ کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کر لیا مگر برطانیہ نے ان حالات میں یہ پیش کش قبول نہ کی بعد میں ایک تفتیشی کمیٹی کی سفارشات پر جو وہاں کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے بنائی گئی تھی یہ جزائر غیر مشروط طور پر برطانیہ کے حوالہ کر دیئے گئے۔ اور ۱۰ اکتوبر ۱۸۷۴ء میں فیجی کو برطانیہ کی نوآبادی قرار دے دیا گیا۔ برطانیہ کی نظر فیجی کی بہ لحاظ محل وقوع فوجی اہمیت اور نیوزی لینڈ وآسٹریلیا کی ہمسائیگی کے علاوہ یہاں ایک عمدہ بندرگاہ ملنے کے امکان اور کپاس اور گنے کی پیداوار بھی تھی۔

شروع میں عیسائیت کو جزائر فیجی میں اتنی مقبولیت حاصل نہ ہوئی مگر بعد میں جب یورپی عہدے داروں نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا تو لوگ تیزی سے عیسائی ہونے لگے۔ ۱۸۵۴ء میں جب یہاں کا بادشاہ ٹکم بو عیسائی ہوا تو اس مذہب کو بہت تقویت ملی۔ آج یہ لوگ پکے عیسائی ہیں جن میں ۸۵ فیصد میتھوڈسٹ ۱۲ فیصد رومن کیتھولک اور باقی دوسرے فرقے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں فیجی میں عیسائیت کے سو سال پورے ہونے پر یہاں صد سالہ تقریبات منائی گئیں۔

ہندوستانیوں کی آمد یہاں ۱۸۷۹ء میں شروع ہوئی۔ جب برطانوی حکومت نے ایک معاہدہ کے تحت انھیں کپاس، گنا، ربڑ وغیرہ کی کاشت کے لئے ادھر بلایا۔ یہ معاہدہ ختم ہونے تک (۱۹۱۹ء) ۶۳۰۰۰ ہزار سے زائد ہندوستانی یہاں آچکے تھے۔ اور ان میں سے صرف ایک تہائی کے قریب ہندوستان واپس گئے۔ اس عرصہ میں ہندوستانی آبادی نہایت تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتی رہی۔ اور اس وقت پوری آبادی کے نصف سے اوپر پہنچ چکی ہے۔ جس کے اسباب کم عمر میں شادی زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت اور اولاد میں لڑکیوں کا بلند تناسب ہیں۔ اب اس بڑھتے ہوئے تناسب کو کم رکھنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی رائج کی گئی ہے ۱۹۶۲ء میں ہندوستانیوں کی شرح پیدائش ۴۱ء۹ فی ہزار تھی جو ۱۹۷۶ء میں کم ہو کر ۲۴ء۴۳ رہ گئی جب کہ فیجیئن (اصل مقامی باشندے) میں ان چار سالوں میں یہ شرح ۳۳ء۷۱ سے کم ہو کر ۲۶ء۹۳ فی ہزار ہوئی ہے۔

ہندوستانیوں کو سیاسی حقوق ۱۹۲۹ء میں ملے۔ فیجی کی مجلس قانون ساز اور برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد برطانیہ نے فیجی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو یہ ملک آزاد ہو گیا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو فیجی اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔

جزائر فیجی کی مسلم اقلیت

فیجی کی تقریباً چھ لاکھ آبادی میں ۵۰ فیصد عیسائی، ۴۰ فیصد ہندو، ۸ فیصد مسلمان اور ۲ فیصد باقی مذاہب کے لوگ ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی تعداد ۴۸۰۰۰ کے قریب ہے مرزائی (دونوں گروپ) اور بہائی مشنریاں بھی یہاں کام میں مصروف ہیں۔

یہاں پر مسلمانوں کی مرکزی تنظیم فیجی مسلم لیگ ہے۔ اس کے تحت تقریباً ۲۰ پرائمری اسکول اور تین ہائی اسکول اور کئی ایک مساجد قائم ہیں۔ ان اسکولوں میں ہر نسل اور ہر مذہب کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ مسلمان ان اسکولوں میں اردو، عربی اور اسلامیات کی تعلیم کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے باہر سے اساتذہ منگوائے گئے ہیں۔

ایسی صورت میں جب کہ اس ملک کی ۵۰ فیصد زیادہ آبادی ۲۵ سال سے کم عمر کے نوجوانوں پر مشتمل ہے اور آبادی کا چوتھا حصہ پرائمری اور ہائی اسکولوں میں زیر تعلیم ہے۔ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ اسکول قائم کرنے اور ان میں اسلامی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

ماضی میں مسلمانوں کو حکومت میں نمائندگی دی جاتی تھی مگر نئے آئین میں مسلمانوں کے الگ سیاسی وجود کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ انھیں "ہندوستانی" شمار کیا گیا ہے۔ عدالتوں میں مسلم شخصی قوانین کا نفاذ ایک الگ حل طلب مسئلہ ہے۔ جزائر فیجی کے ہر ضلع میں مسجد موجود ہے۔ اور چند علماء دین کی خدمت بھی حاصل ہے۔ لیکن جزائر میں منتشر مسلم آبادی کے لئے مزید علماء کی شدید ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں تبلیغی جماعت اور مجلس تحفظ ختم نبوت نے قابل قدر اور نمایاں کام کیا ہے۔ اور یہ لوگ دور دراز جزیروں میں پہنچے ہیں۔

اسی طرح یہاں انگلش اور اردو میں اسلامی لٹریچر کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جو ہر قسم کے فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہو۔ فیجی کے مسلم جوانوں کی فعال تنظیم (FMYO) مسلم یوتھ آرگنائزیشن نے دیگر منصوبوں کے علاوہ ایک اسلامی لائبریری "شاہ فیصل اسلامک لائبریری" بھی قائم کی ہے۔

نیوزی لینڈ آسٹریلیا نیوکیلی ڈونیا اور فیجی کے مسلمانوں کے مشترکہ مسائل کے حل کے لئے سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ یورپ کی اسلامی کونسل کی طرز پر جنوبی بحرالکاہل کی ایک اسلامی کونسل تشکیل دی جائے، جو اسلامی سکریٹریٹ جدہ کے ساتھ مربوط ہو۔ اس اسلامی مرکز کے تحت تبلیغی کام اور دینی مدارس کا قیام بہترین نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

آخر میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بحرالکاہل میں ابھی ایک سیکڑوں جزائر ایسے موجود ہیں جہاں رہنے والے انسانوں کے کان ابھی اسلام کی آواز سے ناآشنا ہیں۔ اور وہ عیسائی مشنریوں کی بتائی ہوئی باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔ یہ میدان دنیا بھر کے مسلمانوں کو صدا دے دے کر پکار رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون ان صداؤں پر کان دھرتا ہے اور ان پر لبیک کہتا ہے۔

(عربی سے ترجمہ)

دنیا کو حقیقت کی نظر سے دیکھنا

شیخ محمد بن احمد بن حسن خزرجی (ابوظبی)

انسان کا غفلت کی زندگی گزارنا اور اس دھوکہ میں رہنا کہ وہ آزاد ہے کوئی اس کا آقا اور محاسب نہیں ہے بڑے دھوکے کی بات ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ۔ (ملک - ۱۷)

(کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے، سو تم عنقریب جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے)

ہم کو وہ زمانہ ملا ہے جس میں مادیت کا زور ہے، انسان ہر وقت مال کی فکر میں رہتا ہے، تنہا یہی فکر اس پر مسلط رہتی ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ کہاں سے اور کس طریقہ سے مال حاصل کرے، دن رات مال ہی مال کی دھن غالب ہے اور اسی آرزو میں وقت گزارتا ہے۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ انسان دنیا کی چیزوں کو غور اور عبرت کی نظر سے دیکھتا، اور اس سے سبق لیتا۔ قسما قسم کی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو دیکھتا اور سوچتا کہ ان سب کے خالق کا جو ہمارا بھی خالق ہے اس کا ہم سے کیا مطالبہ ہے، خالق کائنات خود کائنات کو دیکھنے اور ان پر غور کرکے اپنی معرفت کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ۔ (ق - ۶-۷)

(کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی ہم نے اس کو کیونکر بنایا اور (کیونکر) سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دئے، اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و فرمانروائی پر ایک لمحہ غور و فکر کرنا ایک سال عبادت کرنے سے بہتر ہے، غور و فکر اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین کو بڑھاتا ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں ساتوں زمین و آسمان کی حکومت و فرمانروائی ہے، اور اسی کے پاس ہم کو لوٹ کر جانا ہے، جب ہم ان حقائق پر غور کرینگے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ہم پر کیا ذمہ داریاں ہیں اور ہم سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطالبہ ہے اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد اس راہ کی تلاش ہوگی جس سے ہم اخلاص و محبت کے دروازہ میں داخل ہوں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری بجالائیں، اور دل میں اس کا خوف و ڈر پیدا ہو، جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا وہ قیامت کے دن کے خوف و ڈر سے محفوظ رہے گا، ہمیں خیر و بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے، ظالموں کا ساتھ نہ پکڑنا چاہئے کہ ہم کو جہنم کی آگ جلائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (ہود - ۱۱۳)

(اور ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک سمت (مقرر) ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو، اور جو لوگ ظالم ہیں انکی طرف مائل نہ ہونا نہیں تو تمھیں (دوزخ کی) آگ آپکڑے گی)۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا ظالم لوگ کہاں ہیں اور ظالموں کے معاون و مددگار کہاں ہیں! پھر ان سب کو لایا جائے گا حتیٰ کہ جس شخص نے ظالم کو دوات لاکر دیا ہوگا وہ بھی لایا جائے گا اور وہ سب آگ کے ایک تابوت میں رکھ کر جہنم کی تہہ میں ڈال دئے جائیں گے۔ ہم کو اس خدا سے ڈرنا چاہئے جو ہمارے کھلے چھپے ہر کام و عمل کو جانتا ہے چھوٹا بڑا کوئی بھی عمل اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

بندہ کی بھلائی اس میں ہے کہ خلوص دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو، زندگی کا ہر عمل اسی کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو کھانے پینے، وضع قطع اور لباس وغیرہ ہر چیز میں جائز و ناجائز کا خیال ہو، کسی بھی معاملہ میں حدود اللہ کو نہ توڑا جائے، انسان خواہ کتنے ہی بڑے بڑے کام کرے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو تو اس عمل کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کے سفید پہاڑوں کے برابر اعمال لیکر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کو اڑتی دھول کی طرح بنادے گا حضرت ثوبان نے عرض کیا اللہ کے نبی! آپ ہم کو بتادیں کہ وہ کون لوگ ہوں گے، ان کی صراحت آپ فرمادیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم نادانستہ ولاعلمی میں انھیں میں سے ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے ہی بھائی اور تمہارے ہی خاندان سے ہوں گے وہ بھی رات کا حق تمہاری ہی طرح ادا کریں گے، لیکن وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ جب خلوت و تنہائی میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو توڑیں گے، اس کی پردہ دری کریں گے،

اللہ تعالیٰ کو توحید پرستوں کا طریقہ پسند ہے ہم کو چاہئے کہ اس کے مخلص بندوں کے طرز زندگی کو اپنائیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں امثال و قصص کو بیان فرمایا ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، اس نے اپنی مخلوقات کا ذکر بلکہ بعض کی تو قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے اسی لئے کہ ہم ان پر غور و فکر کریں اور خدا کی معرفت حاصل ہو۔

دنیا اور دنیا کی حکومتوں کا ذکر بھی کیا ہے، گزشتہ قوموں اور ان کی داستان فنا کو بھی بیان فرمایا ہے خود انسان کی تکوین اور اس کی تدریجی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایک ناپاک قطرہ تھا پھر خون کا لوتھڑا بنا اس کے بعد گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈی، اور ہڈی پر گوشت چڑھایا پھر اس کے بعد ایک دوسری مخلوق کا وجود ہوا۔

قرآن کریم کی یہ ساری تفصیلات اس لئے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے وجود پر یقین کرے، اس کی قدرت و عظمت پر ایمان لائے، وہ یکتا و بے مثال ہے، اس کی اطاعت و عبادت ہم پر لازم ہے، اس کے خوف و تقویٰ کو ہم اپنا شعار بنالیں، نمازوں کے پابند ہوں اور باجماعت ادا کریں، مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، مسجد کی آبادی دو طرح کی ہے ظاہری اور معنوی۔ ظاہری تو یہ ہے کہ اس کی اچھی تعمیر ہو، صفائی ستھرائی ہو، اس کی کسی طرح کی بے حرمتی نہ ہو، جھوٹے بچے مسجد میں نہ داخل ہوں جو پاکی و ناپاکی کا شعور نہیں رکھتے، نہ جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہوا جائے، جس کی پاکی و ناپاکی کا علم نہیں ہے۔

معنوی آبادی یہ ہے کہ مسجدوں میں ائمہ مقرر ہوں جو مقتدیوں کی امامت کے ساتھ ساتھ انھیں وعظ و نصیحت بھی کریں اور مسئلہ مسائل بتائیں، ہم محلہ کاموں میں ہزاروں روپے خرچ کردیتے ہیں لیکن مسجد دائمہ پر خرچ کرنے میں کمی برتتے ہیں۔

بعض لوگ سڑک وغیرہ کی توسیع کے وقت مسجدوں کو توڑنے کا فتویٰ دیتے ہیں، یہ فتویٰ غلط ہے جو نص اور حق کے خلاف ہے۔ دیکھئے ذیل کی آیت سے کیا معلوم ہوتا ہے:

"ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها اولئك ماكان لهم أن يدخلوها الا خائفين"۔

(سورہ بقرہ - ۱۱۴)

(اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو خدا کی مسجدوں میں خدا کے نام کا ذکر کئے جانے کو منع کرے اور ان کی ویرانی میں ساعی ہو؟ ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔

نگران اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی
مجلس ادارت
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس کینٹ روڈ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات "شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ" کے لئے شائع کیا

یا تلامیذ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم

حطّموا ظلم الليالي ... واسبقوا ركب المعالي
وابذلوا كل الغوالي ... وارفعوا دين محمدٌ
لا تلينوا للأعادي ... لا تهينوا للعوادي
اعلنوا في كل نادي ... أنكم صحب محمدٌ
لستم عُبادَ مالٍ ... لستم طلاب نالٍ
أنتم مجد الليالي ... أنتم جند محمدٌ
أنتم نور الهداية ... أنتم للحق راية
حطّموا قيد الغواية ... وانشروا نور محمدٌ
إن تخاذلتم فشلتم ... أو تخليتم ندمتم
أو تعاديتم خذلتم ... يا تلاميذ محمدٌ
ينظر الكونُ اليكم ... يطلب البرءَ لديكم
فاعلموا ماذا عليكم ... نحو تشريع محمدٌ
ليس في الإسلام ذُلّ ... ليس فيه ما يُمَلّ
كل ما فيه يُجَلّ ... انه دين مُحَمّدٌ
انما الاسلام قوة ... وجهاد وفتوة
ونظام وأخوة ... واتباع لمُحَمّدٌ